نصرٌ من اللّٰہ وفتحٌ قریب

ہفت روزہ

نصرت

لاہور

مقدمہ نمبر (۱)

۱۸

اتوار: ۲۶ جنوری ۱۹۶۹ء



میاں محمود علی قصوری
.....مقدمے کے سربراہ وکیل

مدیر: محمد حنیف رامے

۳۰ پیسے

○ مولانا مودودی

اُس طرزِ فکر کے خاص نمائندے ہیں جو اسلام میں زمینداری، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا تحفظ ڈھونڈتی ہے۔ اس طرزِ فکر کو سوشلزم کے نام سے چڑ ہے اور یہ سوشلزم کی ہر کامیابی سے منکر و بیزار ہے۔ اس چڑ، انکار اور بیزاری کا تازہ نشانہ چینی کمیون ہیں

○ مولانا مودودی نے چینی کمیونوں کے متعلق لکھا ہے:

"لوگ مجموعی نتائج کو دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو جاتے ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ نتائج جن طریقوں سے حاصل کیے جاتے ہیں ان میں انسان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ چین کے کمیون سسٹم کا تفصیلی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ نظام کس طرح انسان کو اجتماعی مشین کا پرزہ بنا کر اس کی انسانیت کو فنا کر دیتا ہے۔"

تصنیف:
فیلکس گرین

ترجمہ:
محمد حسن رابع



پیش لفظ:
محمد حنیف رامے

یہ کتاب اس بے بنیاد الزام
کا منہ توڑ جواب ہے

مولانا مودودی نے چینی کمیون اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے مگر فیلکس گرین نے دیکھے ہیں۔ اگر مولانا مودودی کو سوشلزم سے چڑ ہے تو فیلکس گرین بھی امریکہ کا باشندہ ہے۔ لیکن مولانا مودودی سُنی سنائی کہتے ہیں اور فیلکس گرین آنکھوں دیکھی بیان کرتا ہے۔ اور اس کا بیان سوشلزم کے حامیوں اور مخالفوں دونوں کے لیے بصیرت کا سامان رکھتا ہے۔

ایک کتاب جو ہمارے جیسے غریب ملک کے عوام کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔

قیمت:
دو روپے پچیس پیسے

البیان
چوک انارکلی۔ لاہور



ہر سیاسی کارکن کا مطالبہ

اداریہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کالے قوانین ختم کرو، بھٹو کو رہا کرو

حکومت یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ وہ جمہوریت میں یقین رکھتی ہے اور ساتھ ہی جمہوریت کا گلا بھی گھونٹتی جارہی ہے۔ ملک میں قانون اور کالے قانون کے درمیان ایک ایسی جنگ چھڑ چکی ہے جو دردانگیز بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی۔ کالا قانون عوام کے ترجمانوں کو پکڑنے، دبانے اور کچلنے پر مامور ہے اور قانون کے اعلیٰ ادارے —— ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ —— امتناعی قوانین کے بے جا اور بے محابا استعمال کا شکار ہونے والوں کو چھوڑنے اور بے گناہ قرار دینے کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ملک میں اگر کوئی جمہوریت باقی ہے تو وہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے اندر ہے، ملک میں قانون کی حکومت ہے تو وہ اعلیٰ عدالتوں کے اندر ہے، باہر کالے قانون کی حکومت ہے۔

حکومت نے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اور اُن کے متعدد رفقاء کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کرلیا، نیشنل عوامی پارٹی کے قائد ولی خاں اور ان کے ساتھیوں کو قید کرلیا۔ معراج محمد خاں اور امان اللہ خاں جیسے طالب علم رہنماؤں کو نظر بند کر دیا، حیدر بخش جتوئی جیسے کسان لیڈروں کو پکڑ لیا، مزدوروں کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کو جیلوں میں ٹھونس دیا، شیخ ایاز اور اجمل خٹک جیسے قلمکاروں کو نظر بند کر دیا، عوامی شاعر اسلم گورداسپوری کو بار بار جیل بھیجا، وکلاء اور طلباء کے احتجاجی جلوسوں کو زیرِ حراست لے لیا، آغا شورش کاشمیری کو نہ صرف نظر بند رکھا بلکہ اُن کے پرچے چٹان کو بند کر دیا، نصرت کو سات ماہ تک چھپنے کی اجازت نہ دی، عوام پر جگہ جگہ تشدد کیا، دفعہ ۱۴۴ کا بے دریغ استعمال کیا، پریس کو محبوس کیا، ریڈیو اور ٹیلی وژن جیسے قومی اداروں کو برسرِ اقتدار گروہ کی پبلسٹی کا محکمہ بنا ڈالا، عوام کے خادم سرکاری افسروں کو برسرِ اقتدار طبقے کے مفادات کے تحفظ کا آلہ کار بنا کر انھیں عوام کو کچلنے کا کام سونپ دیا گیا —— اور یوں اپنی دانست میں جمہوریت کا بول بالا کر دیا۔

لیکن جمہوریت کے سرکاری غبارے میں قانون نے ہر مرتبہ پنکچر کرکے اُس کی ہوا نکال دی۔ اُن سینکڑوں سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو اعلیٰ عدالتوں نے بری کر دیا جن پر حکومت نے بغاوت سے لے کر بدامنی تک کے الزامات لگائے تھے اور پھر حکومت اس حد تک بوکھلائی کہ ڈاکٹر مبشر حسن، مسٹر ممتاز علی بھٹو اور مسٹر مصطفےٰ کھر کی طرح بہت سے نظر بندوں کو از خود رہا کر دیا۔ ڈیفنس آف پاکستان رولز اور پبلک سیفٹی آرڈی ننس کی اچھی خاصی بھد اُڑوا کر بھی حکومت کو تسلی نہ ہوئی اور اس نے دفعہ ۱۴۴ کو نیم مارشل لاء کی صورت دے کر قریے قریے میں نافذ کر دیا۔ بے شک شروع شروع میں عوامی مظاہروں پر بے تحاشا تشدد کرکے دفعہ ۱۴۴ کے وجود کا ثبوت مہیا کیا گیا۔ لیکن عوامی جذبات کے سیلاب کے سامنے دفعہ ۱۴۴ ایک پرِ کاہ ثابت ہوئی اور بڑے بڑے شہروں میں پُرہجوم مظاہروں نے اس کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں۔ لاہور کی مثال کافی ہے جب جمعیت علمائے اسلام، پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے زیرِ تشکیل جلوس پر جمعۃ الوداع کے دن بے دردانہ لاٹھی چارج کیا گیا، اور مولانا عبید اللہ انور اور شیخ محمد رشید کو زدوکوب کیا گیا تو اس کا ردِ عمل پورے ملک میں ہوا اور اگلے جمعے کو جب انھی جماعتوں نے جلوس نکالا تو سرکاری حکام، دفعہ ۱۴۴ اجوں کی توں ہوتے ہوتے، جلوس کے منتظمین سے یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ بڑے شوق سے جلوس نکالیے، آپ کو پولیس کچھ نہیں کہے گی۔

یہی حال طلباء کا ہے۔ حکومت نے آہستہ آہستہ گھٹنے ٹیکنے شروع کیے اور بالآخر بالکل ٹیک دیے۔ سوال یہ ہے کہ جب حکومت کی تشدد پر مبنی پالیسیوں کی تاثیر کا بھانڈہ پھوٹ چکا ہے تو وہ ان پالیسیوں پر آخر کب تک چلتی رہے گی۔ کیا اس طرح اس نے طلباء کو خوش کر لیا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتی ہے کہ ہر عوامی مطالبے کے لیے عوام سے خون کی قربانی لے، کیا وہ چاہتی ہے کہ اب یہ بھرم بھی کھل جائے کہ وہ قومی حکومت نہیں بلکہ نوآبادیاتی نظام کی وارث حکومت ہے جس کا کام عوام کی امنگوں کے مطابق چلنا نہیں، عوام کو کچل کر، اُن کا استحصال کرکے، انھیں کالے قوانین کی بیڑیاں پہنا کر مٹھی بھر لوگوں پر مشتمل اُس حکمران ٹولے کی تجوریاں بھرنا اور اُس کے اقتدار کے تحفظ کا سامان کرنا ہے جو آزادی کے

بعد بھی سامراجی طاقتوں کے اشارے پر اس ملک اور قوم کو آزاد نہیں ہونے دیتا۔ اگر اس کا یہی ارادہ ہے تو وہ دن دور نہیں جب اُس کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔

اگر حکومت واقعی یہ چاہتی ہے کہ پاکستان میں امن و امان ہو تو اُسے چاہیے کہ فوری طور پر کالے قوانین کے سایہ میں جمہوریت کا سوانگ رچانا ترک کر دے، ان قوانین سے وہ امن قائم نہیں کر سکتی ان سے صرف بدامنی ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ پیچھے کی وہ توڑ پھوڑ جس کے بارے میں اُوپر کی لُوٹ مار کرنے والوں کو بہت پریشانی تھی عوامی تحریک کے ابتدائی مراحل ہی پر از خود ختم ہو گئی۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اگر عوام کو سیاسی عمل کی مہلت ملے تو ان کی تحریکیں پُرامن ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جہاں جہاں پولیس نے مزاحمت نہیں کی وہاں حالات پُرامن رہے ہیں۔

یہی حال قیادت کا ہے۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں امن ہو تو اُسے چاہیے کہ فوری طور پر عوام کے قائد ذوالفقار علی بھٹو کو رہا کر دے جس شخص نے عوام کو بیدار کیا وہی ان کو منظم کر سکتا ہے۔ بھٹو کی نظر بندی حکومت کو بے حد مہنگی پڑے گی، جہاں دنیا بھر میں حکومت کی یہ بدنامی ہو گی کہ صدارتی امیدوار کو قید کر رکھا ہے وہاں ملک میں اس وقت تک بے چینی اور اضطراب رہے گا جب تک مسٹر بھٹو رہا نہیں ہو جاتے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ صدر محمد ایوب خان کے صدارتی امیدوار ہونے کے اعلان سے قبل ہی مسٹر بھٹو کو رہا کر دیا جائے تاکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر یہ اعتماد پیدا ہو سکے کہ حکومت واقعی کسی طرح کی جمہوریت میں یقین رکھتی ہے۔

اور آخر میں —— اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں انتخابات ہوں اور عوام کی مرضی کو حکومت کے کاروبار میں کچھ دخل ہو تو اُسے چاہیے کہ اب مزید ہچکچاہٹ کو چھوڑ کر بالغ رائے دہی کے اصول کو اپنا لے اور بھٹو کی رہائی کا اعلان کر دے۔ ورنہ عین ممکن ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جنھوں نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان اور فیصلہ کر رکھا ہے اگر زیادہ دیر تک رہا نہ ہوں تو بے چین اور مضطرب عوام حکومت سے بعض رعایتیں مانگنے کی پالیسی کے بجائے، جس پر پی ڈی ایم اور جمہوری مجلسِ عمل کاربند ہے، اپنے قائد کو اپنے درمیان نہ پا کر سول نافرمانی کے انداز کی کسی پالیسی کو اپنانے کی راہ پر نکل جائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ملک میں کسی سطح کے انتخابات بھی نہ ہو سکیں اور شہری نظم و نسق کا رہا سہا ڈھانچا بھی ڈھے جائے۔

اگر حکومت نوشتہ دیوار کو پڑھ سکتی ہے تو اُسے تمام کالے قوانین ختم کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو جلد از جلد رہا کر دینا چاہیے تاکہ ملک میں صحت مند سیاسی ماحول پروان چڑھ سکے۔ ہر وہ دن جو مسٹر بھٹو جیل میں گزار رہے ہیں اِس ملک کو سول نافرمانی کی طرف لے جا رہا ہے۔

محمد حنیف رامے

عوام کا متفقہ مطالبہ —— بھٹو کو رہا کرو





اور.....

"چیئرمین بھٹو نے کہا، —
پولیس کو اندر بلا لو"۔

چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری

— ڈاکٹر مبشر حسن کی زبانی —

"رات کو ۱½ بجے کے قریب پولیس نے گیٹ پر دستک دی۔ اس سے پہلے پولیس کے چالیس پچاس آدمی جو رائفلوں سے مسلّح تھے۔ بنگلے کے چاروں طرف گھیرا ڈال چکے تھے۔

ایک پولیس افسر نے چوکیدار سے گیٹ کھولنے کے لیے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا اور وجہ پوچھی۔ پولیس والے وجہ بتانے کے موڈ میں نہیں تھے۔ انھوں نے زبردستی گیٹ کھول لیا اور اندر آگئے۔ کچھ پولیس والوں نے چوکیدار کو "وجہ پوچھنے کا مزہ چکھانے" کے لیے زدوکوب کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے اُسے رائفلوں کے کُندے اور ٹھوکریں ماریں اور پھر برآمدے میں آگئے۔ میں اپنے بستر میں تھا۔ اچانک دروازے پر بڑے زور سے دستک ہوئی۔ جب میں بستر سے نکل دروازے کی طرف آرہا تھا تو مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ پولیس آگئی ہے۔ میں نے دروازہ کھولا تو ایک ڈی ایس پی اور کچھ سپاہی زبردستی اندر گھُس آئے۔ میں نے اُن سے پوچھا: کیا بات ہے تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"ہم بھٹو صاحب سے ملنا چاہتے ہیں"۔ ڈی ایس پی نے کہا۔

"کچھ دیر ٹھہرو۔ پہلے میں جا کر اُن کو جگاتا ہوں پھر تم اُن کے کمرے میں چلے جانا"۔ میں نے جواب دیا۔

وہ انتظار کرنے کے لیے رضامند ہو گئے۔ میں بھٹو صاحب کے کمرے میں پہنچا، انھیں جگایا اور کہا۔

"اُٹھیے پولیس آپ کو گرفتار کرنے آگئی ہے"۔

بھٹو صاحب نے کسی حیرت یا تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا جیسے یہ خبر ان کے لیے کوئی غیر متوقع بات نہیں۔ انھوں نے کہا:

"کوئی بات نہیں، پولیس کو اندر بلا لو"۔

میں پولیس کو بلانے کے لیے واپس آیا تو وہ میرے ٹیلی فون کی جانچ پڑتال کر رہے تھے۔ انھوں نے یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ ٹیلی فون کی تاریں کٹ چکی ہیں یا نہیں۔ رسیور کان سے لگا کر دیکھا، تاریں کٹ چکی تھیں۔ بہرحال اس کے باوجود انھوں نے احتیاطاً رسیور اُٹھا کر نیچے رکھ دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہمیں ہدایت بھی کی کہ ہم ٹیلی فون استعمال نہ کریں۔ مزید احتیاط کے طور پر انھوں نے وہاں ایک سپاہی بھی کھڑا کر دیا، جیسے تاریں کٹ جانے کے باوجود ٹیلی فون کرنا ممکن ہو۔

میں ڈی ایس پی کو لے کر دوبارہ بھٹو صاحب کے کمرے میں پہنچا۔ ڈی ایس پی نے بھٹو صاحب سے کہا

"جناب ہمارے پاس احکامات ہیں۔ یہ بڑا ناخوشگوار کام ہے جو ہم انجام دینے پر مجبور ہیں....."

"آپ تشریف رکھیے"۔ بھٹو صاحب نے جواب دیا۔

میں نے ڈی ایس پی سے حکم دکھانے کے لیے کہا۔ انھوں نے کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ بھٹو صاحب نے بھی آرڈرز پڑھے اور کہنے لگے "اچھا میں تیار ہو جاتا ہوں، آپ تھوڑی دیر انتظار کریں"۔

میں پولیس والوں کو گیلری میں لے آیا تاکہ بھٹو صاحب اطمینان سے تیار ہو سکیں۔ اس وقت گھر میں میرے اور بھٹو صاحب کے علاوہ ممتاز علی بھٹو اور پیر بخش بھٹو بھی موجود تھے۔ انھیں بھی پولیس کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ جاگ پڑے تھے۔ بہرحال پولیس والے مصطفےٰ کھر کے بارے میں زیادہ فکرمند تھے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا:

"مصطفےٰ کھر کہاں ہیں؟"

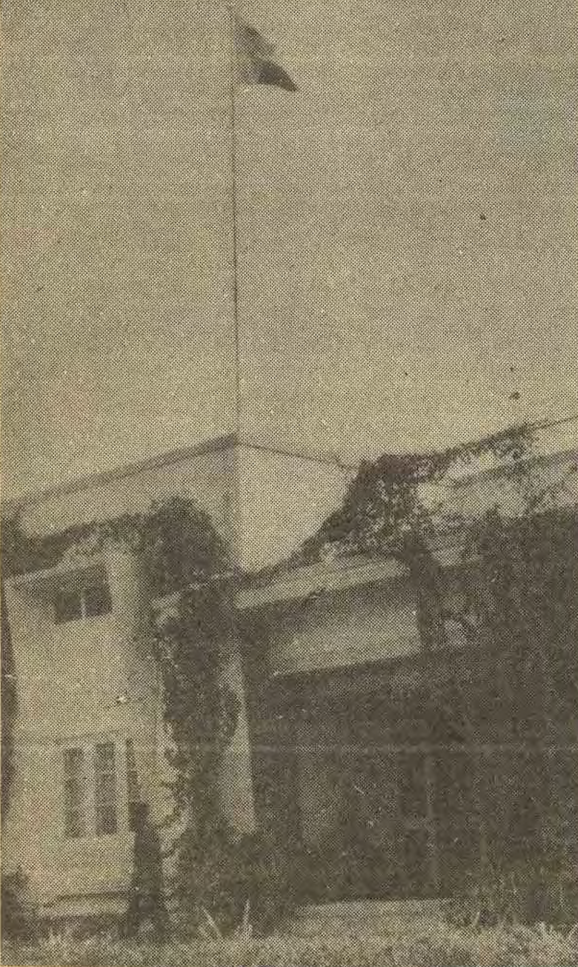
"یہاں نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"وہ کہاں ہوں گے؟" انھوں نے زور دے کر کہا۔
"مجھے کیا معلوم ہے، کہیں نہ کہیں تو ضرور ہوں گے۔ تلاش کر لیجیے۔"
"اچھا میر رسول بخش تالپور کہاں ہیں؟"
"وہ بھی یہاں نہیں ہیں اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں ہوں گے۔"
یہ کہہ کر میں بھٹو صاحب کے کمرے میں چلا گیا تاکہ ان کا سامان باندھنے میں مدد دوں۔ گھر میں ایک ہی بستر بند تھا، وہ نکال کر اُن کو دے دیا۔ تقریباً پونے گھنٹے میں بھٹو کی ضرورت کا سامان بندھ کر تیار ہوا۔ اس عرصے میں میں نے پولیس والوں کو چائے پینے کی دعوت دی لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ بھٹو صاحب سے پوچھا تو انھوں نے بھی چائے پینے سے انکار کر دیا۔

سوا دو بجے کے قریب بھٹو صاحب تیار ہو کر باہر نکلے۔ میں، ممتاز بھٹو اور پیر بخش بھٹو اور کے ساتھ تھے۔ گیٹ کے سامنے سیاہ رنگ کی ایک شیورلٹ کار کھڑی تھی۔ ہم نے بھٹو صاحب کا سامان کار میں رکھوا دیا اور پھر انھیں الوداع کہا۔ وہ دروازہ کھول کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دو پولیس والے ان کے ساتھ بیٹھے۔ ڈرائیور سمیت تین پولیس والے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار روانہ ہو گئی۔ پولیس کی ایک موٹر کار کے آگے اور دوسری پیچھے لگ گئی۔

جب ہم بھٹو صاحب کو الوداع کہہ کر گیٹ پر پہنچے تو اچانک ایک پولیس افسر نے کہا: "اب آپ حضرات بھی تیار ہو جائیے۔"
ہم نے کہا "گرفتاری کا حکم دکھائیے۔"
انھوں نے ممتاز بھٹو اور میرے بارے میں احکام دکھا دیے لیکن پیر بخش بھٹو کے بارے میں کہا کہ ان کے متعلق احکامات تھانے چل کر دکھائیں گے۔ اس پر میں اَڑ گیا۔ میں نے کہا "یہ میرے مہمان ہیں اور میں انھیں اس طرح اپنے گھر سے لے جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔" پولیس والوں نے بڑا اصرار کیا اور کہنے لگے: "ڈاکٹر صاحب ہمارا اعتبار کیجیے، ہم تھانے پہنچ کر احکامات دکھا دیں گے۔"

خیر ہم مان گئے اور اپنا سامان باندھنے لگے۔ تیار ہو کر باہر نکلے اور موٹر میں بیٹھ گئے۔ موٹر سٹارٹ نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ پولیس والوں نے دھکے لگائے تب کہیں جا کر اُس میں حرکت پیدا ہوئی۔

جب گھر میں کوئی مرد نہ رہا تو پولیس والے زیادہ دلیر ہو گئے۔ پہلے تو وہ مکان کے دروازے پر گیلری میں کھڑے تھے، ہمارے جاتے ہی انھوں نے ڈرائنگ روم کھلوا لیا اور بڑی بے تکلفی سے صوفوں پر براجمان ہو گئے۔ نوکروں کو چائے بنانے کا حکم دیا اور میری بیوی سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ جب انھوں نے بار بار یہ پوچھا کہ اس گھر میں کوئی اور مرد ہے یا نہیں تو میری بیوی کو بھی غصہ آ گیا اور انھوں نے انھیں خوب جھاڑ



ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی جہاں سے
ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کیا گیا

پلائی۔ بہرحال پولیس نے اُنھیں گھر سے باہر نکلنے سے روک دیا اور اس طرح صبح سات بجے تک "زیرِ حراست رکھا"۔ ٹیلی فون کٹ چکا تھا۔ صبح جب میرے دوست حنیف رامے اپنی گاڑی لے کر پہنچے "تاکہ بھٹو صاحب اور دوسرے ساتھیوں کو سٹیشن پہنچانے میں مدد دیں" تو انھیں رات کے واقعات کا پتا چلا۔ اور پھر اُن سے دوسرے ساتھیوں کو معلومات ملیں۔ یہ الگ بات ہے کہ میں شروع شروع میں جیل کے اندر یہی سمجھتا تھا کہ حنیف صاحب بھی گرفتار ہو گئے ہوں گے۔

بشرطِ اجازت

بُھٹو کا حلفیہ بیان

نصرت کے آئندہ خاص شمارے میں
مکمل متن

ہفت روزہ نصرت لاہور/ ۲۶ جنوری ۱۹۶۹ء

مقدّمے کی مکمّل کارروائی

آیا تو اک ادا سے عدالت میں آئے گا

گرفتاری کے بعد بھٹو صاحب کچھ عرصہ میانوالی جیل میں رہے پھر ساہیوال جیل پہنچا دیے گئے۔ سات جنوری کو انھیں لاہور لایا گیا۔

۹/ جنوری ۱۹۶۸ء

۹ جنوری کو بورسٹل جیل لاہور میں عدالت عالیہ کے ایک خصوصی بنچ کے رُوبرو جو مسٹر جسٹس مشتاق حسین اور مسٹر جسٹس محمد گل پر مشتمل ہے۔ مسٹر بھٹو کی نظربندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت شروع ہوئی یہ رٹ درخواست ۴ نومبر ۱۹۶۸ء مسٹر بھٹو کی اہلیہ مسز نصرت بھٹو نے دائر کی تھی۔

رٹ درخواست کی سماعت کے لیے عدالت کی ہدایت پر بورسٹل جیل کے مشرقی حصّے میں خصوصی انتظامات کیے گئے تھے۔ جیل کے احاطے کے باہر بھاری تعداد میں پولیس تعیّنات تھی تاکہ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہونے پائے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور طالب علموں کی ایک بڑی تعداد بھی جیل کے باہر جمع تھے۔ انھوں نے ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کے نعرے لگائے اور گولے چھوڑ کر چیئرمین بھٹو کو سلامی دی۔ ان گولوں کی آواز کمرۂ عدالت میں بھی سنائی دیتی رہی۔

جب بھٹو صاحب کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے تو وہ خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ وہ کارڈرائے کے سوٹ اور بوسکی کی قمیض میں ملبوس تھے اور ان کی صحت اچھی تھی۔

عدالت کی کارروائی شروع ہونے پر درخواست دہندہ کے وکیلوں کے سربراہ میاں محمود علی قصوری کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ انھیں کارروائی سننے کے لیے مسٹر بھٹو کے رشتہ داروں کو اجازت دینے کے سلسلے میں عدالت کے نقطۂ نظر کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی تھی۔ اس غلط فہمی کے نتیجے میں نظربند کے تقریباً ۴۲ رشتہ دار جو لاہور کے باہر سے آئے ہیں، کارروائی سننے کے لیے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ بھٹو صاحب کے بہت سے رشتہ داروں کو پاس جاری نہیں کیے گئے اور وہ باہر انتظار کر رہے ہیں۔ انھوں نے استدعا کی کہ کمرۂ عدالت میں بہت سی نشستیں خالی ہیں اس لیے ان لوگوں کو کارروائی سننے کی اجازت دے دی جائے۔

خصوصی بنچ کے سینئر جج مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے کہا کہ انھیں اطلاع دی گئی ہے کہ درخواست دہندہ مسز نصرت بھٹو بعض افراد کو پاس نہ جاری ہونے کے خلاف احتجاج کے طور پر جیل کے باہر بیٹھی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ ایک درخواست دہندہ اور ایک خاتون کے طور پر مسز نصرت بھٹو کا احترام کرتے ہیں لیکن کسی کی طرف سے دھمکیاں برداشت نہیں کریں گے۔ ”ہم اس قسم کے رویّے کے عادی نہیں ہیں۔“

فاضل جج کے ان ریمارکس پر بھٹو صاحب کھڑے ہو گئے اور یہ کہہ کر واک آؤٹ کرنے لگے کہ یہ ”میرے خاندان کی توہین ہوئی ہے۔“

فاضل جج: ”آپ کمرۂ عدالت سے باہر نہیں جا سکتے، آپ کو معلوم ہونا چاہیے آپ اس وقت عدالت کی تحویل میں ہیں، آپ بیٹھ جائیے۔“

اس موقع پر محمود علی قصوری صاحب نے مداخلت کی اور بھٹو صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے کہا: ”عدالت خالی نشستوں کے مطابق کارروائی سننے کے لیے لوگوں کو اجازت دے دے گی۔“ عدالت نے محمود علی قصوری صاحب سے کہا کہ وہ خالی نشستوں کو گنیں۔ قصوری صاحب نے نشستوں کو گنا اور عدالت

لاھور کی بورسٹل جیل جہاں بھٹو صاحب کا مقدمہ سنا جا رہا ھے



کو بتایا کہ تقریباً ۲۵ نشستیں خالی پڑی ہیں۔ اس پر عدالت نے کارروائی سننے کے خواہشمند لوگوں کو پاس جاری کرنے کی ہدایت کی۔ چند منٹ بعد بھٹو صاحب کے تمام رشتہ دار کمرۂ عدالت میں آگئے۔ مسٹر بھٹو بڑی گرمجوشی سے اپنے بچوں کو ملے اور پھر مقدمے کی کارروائی خوشگوار ماحول میں شروع ہو گئی۔

ہوم سیکرٹری کا حلفیہ بیان

صوبائی حکومت کے ہوم سیکرٹری مسعود نبی نور نے عدالت کو اپنا حلفیہ بیان پیش کیا۔ انھوں نے اپنا وہ تفصیلی نوٹ بھی پیش کیا جو انھوں نے صوبے میں نظم و نسق کی صورت حال کے بارے میں ۱۱ر نومبر کو صوبائی گورنر کو بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس اسپیشل برانچ مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کی۔ صوبائی ہوم سیکرٹری نے سرکاری اور نجی جائیدادوں کو پہنچنے والے نقصان کی فہرست اور بھٹو صاحب کی نظر بندی کے سلسلے میں صوبائی گورنر کا جاری کردہ حکم بھی عدالت کے سامنے پیش کیا۔

جس فائل پر گورنر نے بھٹو صاحب کی نظر بندی کے احکام جاری کیے تھے اس میں پیپلز پارٹی سندھ زون کی پرائیویٹ کنونشن کی کارروائی کے اقتباسات بھی موجود تھے۔ یہ کنونشن ۲۱ر ستمبر ۱۹۶۸ء کو حیدر آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ فائل میں میونسپل پارک کوہاٹ میں منعقد ہونے والے پیپلز پارٹی کے جلسے کی کارروائی بھی موجود تھی جو ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو منعقد ہوا تھا۔ ہوم سیکرٹری نے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو بھٹو صاحب کی چارسدہ میں آمد کی کارروائی اور ۱۱ر نومبر ۱۹۶۸ء کو لاہور ڈسٹرکٹ بار کی کارروائی کے اقتباسات بھی پیش کیے۔

پولیس کے ایک افسر آغا محمد علی خاں کی انفرمیشن رپورٹ اور ڈیرہ اسماعیل خاں کی یکم نومبر ۱۹۶۸ء کی پولیس ڈائری کی رپورٹ بھی پیش کی گئی۔

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ ان دستاویزات کے علاوہ گورنر کے پاس اطلاعات حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع بھی ہیں جن میں سرکاری افسروں اور غیر سرکاری آدمیوں سے ٹیلیفون پر بات چیت شامل ہے۔

صوبائی ہوم سیکرٹری نے اپنے تحریری حلفیہ بیان میں کہا کہ

"میں نے صوبے کی عام صورت حال اور بھٹو صاحب سمیت بعض افراد کی منافیِ امن سرگرمیوں کے بارے میں ۱۱ر نومبر کو صوبائی گورنر کو ایک نوٹ پیش کیا تھا۔ یہ نوٹ ان اطلاعات پر مبنی تھا جو مجھے پولیس کے مختلف ذرائع، ڈپٹی کمشنروں اور کمشنروں کی طرف سے موصول ہوئی تھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ صوبائی گورنر کو پولیس کے مختلف شعبوں کی طرف سے براہِ راست رپورٹیں بھی پیش کی جاتی ہیں اور وہ بذریعہ ٹیلی فون فیلڈ افسروں سے بھی رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ میں نے مختلف ذرائع سے موصول شدہ رپورٹوں سے تاثر لیا تھا کہ صوبے میں نظم و نسق کی حالت تیزی سے خراب ہو رہی ہے، لوٹ مار، آتش زدگی، توڑ پھوڑ اور غنڈہ گردی کا جو سلسلہ کراچی سے شروع ہوا تھا، صوبے کے دوسرے علاقے بھی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔



پہلے دن ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن داخل کرتے ہوئے مسز نصرت اور مسز مبشر حسن ___

ستمبر ۶۸ء میں جب بھٹو صاحب نے مغربی پاکستان کا دورہ شروع کیا تھا اس وقت جنوبی علاقوں کے طلباء اور مزدوروں میں کچھ بے چینی پائی جاتی تھی۔ لیکن صوبے کے دوسرے علاقوں میں امن و امان تھا۔ بھٹو صاحب نے اپنے دورے کی ابتدا حیدرآباد سے کی۔ انھوں نے اس شہر میں ۲۱ر ستمبر کو پیپلز پارٹی کے ایک کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے طلباء کا خاص طور پر ذکر کیا اور یہ کہا کہ حکومت طلباء پر جو مظالم کر رہی ہے اور طلباء نے اِن مظالم کے خلاف جو جدوجہد شروع کی ہے اس میں پیپلز پارٹی طلباء کے ساتھ ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ "طلباء کی اس جدوجہد کی یاد میں ملک کے مختلف علاقوں میں یادگاریں تعمیر کی جائیں گی۔" آپ نے طلباء سے اس قسم کا وعدہ ۲۷ر اکتوبر کو چارسدہ میں بھی کیا تھا۔ آپ نے کہا تھا: "وہ وقت آئے گا جب ملک میں خون خرابہ ہوگا۔ یہ میری پیشن گوئی نہیں یہ تو کامن سنس ہے۔ کہا جائے گا کہ میں بغاوت پھیلا رہا ہوں اگر ضرورت ہوئی تو میں بغاوت پھیلاؤں گا، میں اس سے نہیں ڈرتا۔ میں سب سے پہلے اپنا خون دوں گا۔ انقلاب میں ہم خون خرابے سے نہیں ڈرتے، ہم سر پہ کفن باندھ کر نکلے ہیں اور اپنی کشتیوں کو جلا دیا ہے۔"

انھوں نے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کوہاٹ میں ایک جلسے سے خطاب کرتے

ہوئے یہ کہا تھا کہ "صدر ایوب خان نے بہت مظالم کیے ہیں، انھوں نے بہت خون بہایا ہے، عوام بزدل نہیں ہیں۔"

انھوں نے کوہاٹ کے میونسپل پارک میں تقریر کرتے ہوئے مزید کہا تھا: "اگر موجودہ حکومت میرے حق میں دستبردار نہ ہوئی تو میں بزور قوت اقتدار پر قبضہ کرلوں گا۔ اگرچہ میرے پاس پستول نہیں ہے، تاہم میں اپنے بھائیوں یعنی طلباء، مزدوروں اور کسانوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔" انھوں نے یہ بھی کہا تھا: "حکومت کمزور ہوچکی ہے اور اب اُسے آخری ٹھوکر کی ضرورت ہے۔"

ہوم سیکرٹری نے مزید بتایا کہ بھٹو صاحب نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو چارسدہ میں یہ کہا تھا پٹھانوں اور مجھ میں یہ خصوصیت مشترک ہے کہ وہ بھی منتقم مزاج ہیں اور میں بھی منتقم مزاج ہوں۔ ۱۱ نومبر کو لاہور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے اجتماع میں بھٹو صاحب سے یہ کہا گیا تھا کہ وہ طلباء سے اپیل کریں کہ وہ تشدد نہ کریں لیکن انھوں نے اس قسم کی اپیل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا: "طلباء اپنے جائز مطالبات کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں میں ان کے ساتھ ہوں" انھوں نے پولیس کی فائرنگ سے ہلاک ہونے والے طالب علم کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: "اس طالب علم کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔"

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے نہ صرف دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرنے کی دھمکی دی تھی بلکہ فی الواقع اس قانون کی خلاف ورزی کی تھی۔ انھوں نے ڈیرہ اسماعیل خان میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اجتماع میں تقریر کی تھی۔ ۲۵ اکتوبر کو انھوں نے پشاور کے ہوائی اڈے پر بھی لوگوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا تھا۔ مسٹر بھٹو نے کئی جگہ حاضرین کو اکسایا تھا کہ وہ بدامنی کریں۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے نہ صرف الفاظ استعمال کیے بلکہ اپنے ہاتھوں کی حرکتوں سے بھی عوام کو مشتعل کیا اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلائی۔ مثال کے طور پر انھوں نے حیدرآباد میں تقریر کرتے ہوئے اپنا کوٹ اتار دیا اور اپنی آستینیں چڑھا لی تھیں اور اس طرح اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت میں طاقت استعمال کریں گے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں بھٹو صاحب نے ایک خاص آدمی حق نواز نے بندوق بلند کرکے یہ کہا تھا کہ ہم لڑائی کے لیے تیار ہیں۔ اس موقع پر مسٹر بھٹو نے بھی مکا دکھا کر حق نواز کے اس چیلنج کی تائید کی تھی۔

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے اپنی ایک تقریر میں سرکاری راز بھی افشا کیے تھے مثلاً انھوں نے یہ کہا تھا کہ انڈونیشیا نے ہمیں ہوائی جہاز اور آبدوزیں مہیا کی تھیں۔ اب پاکستان اندرون ملک اور بیرون ملک ہمدردی سے محروم ہوگیا ہے چنانچہ ایران، چین اور انڈونیشیا اب ایک پُرزہ بھی نہیں دیں گے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے اس قسم کے انکشافات کرکے پاکستان کے دوسری طاقتوں کے ساتھ تعلقات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

ہوم سیکرٹری پر میاں محمود علی قصوری کی جرح

ہوم سیکرٹری مسٹر مسعود نبی نور کے اس حلفیہ بیان کے بعد درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے اُن پر جرح شروع کی۔

ایک سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ ان کے خیال میں گورنر نے مسٹر بھٹو کی نظربندی کا حکم ۱۲ نومبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں جاری کیا تھا۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نظربند کے متعلق مختلف دستاویزات پر مشتمل فائل ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو گورنر کے پاس موجود تھی۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ وہ فائل بھیجنے کے بعد اور مسٹر بھٹو کی نظربندی کا حکم جاری ہونے سے قبل، گورنر سے ملے تھے۔ ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ یہ ملاقات گیارہ دسمبر کو بعد دوپہر راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ بہرحال انھوں نے وضاحت کی کہ مذکورہ ملاقات نظربندیوں کے سلسلے میں نہیں تھی۔ یہ ملاقات شام کے ساڑھے پانچ اور ساڑھے سات کے درمیان ہوئی تھی۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ انھوں نے اپنا نوٹ ۱۱ نومبر کو دن کے آٹھ اور ساڑھے دس بجے کے درمیان لاہور میں لکھا تھا۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ انھوں نے ہوائی جہاز میں سفر کیا تھا۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے ہوم سیکرٹری نے کہا کہ کیس سے متعلق فائل گورنر کے ہوائی جہاز میں راولپنڈی بھیجی گئی تھی۔

ہوم سیکرٹری نے کہا: "ایک اور رٹ پٹیشن میں جرح کے دوران میں نے واضح الفاظ میں یہ نہیں کہا تھا کہ فائل سٹاف کار کے ذریعے بھیجی گئی تھی۔" انھوں نے کہا اب انھوں نے تصدیق کی ہے کہ فائل ہوائی جہاز میں راولپنڈی لے جائی گئی تھی۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ چیف سیکرٹری کے پرنسپل سیکرٹری مسٹر نذیر احمد فائل لے کر راولپنڈی گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے اسی ہوائی جہاز میں سفر کیا تھا۔ بہرحال انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ پرنسپل سیکرٹری مذکورہ فائلیں لے کر جا رہے ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ اُنھوں نے فائل ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو دو بجے سہ پہر اپنے پرنسپل سیکرٹری کے سپرد کی تھی۔

ہوم سیکرٹری نے وضاحت کی کہ اُسی روز جب وہ اپنے دفتر سے گھر پہنچے تو انھیں چیف سیکرٹری نے ٹیلی فون کیا کہ وہ فوراً ہوائی اڈے پر پہنچ جائیں جہاں گورنر کا طیارہ پرواز کے لیے کھڑا ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ یہ طیارہ ڈھائی اور ساڑھے تین بجے سہ پہر کے درمیان روانہ ہوا۔

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے ہوم سیکرٹری نے بتایا کہ وہ طیارے کے

ذریعے راولپنڈی پہنچنے کے بعد ہوائی اڈے سے سیدھے ویسٹ پاکستان ہاؤس نہیں گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ پہلے وہ کمشنرز ہاؤس گئے اور پھر صدر کا استقبال کرنے کے لیے آئے جو پشاور سے راولپنڈی واپس آرہے تھے ہوائی اڈے پر واپس آئے۔ اس کے بعد وہ ویسٹ پاکستان ہاؤس گئے۔

ہوم سیکرٹری نے اس سوال کا جواب نفی میں دیا کہ جب وہ ویسٹ پاکستان ہاؤس گئے تو مسٹر نذیر احمد کار میں ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے کہا کہ جس کار میں وہ ویسٹ پاکستان ہاؤس گئے اُس میں چیف سیکرٹری اور سیکرٹری قانون اُن کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا کہ چیف سیکرٹری اور سیکرٹری قانون اسی طیارے میں راولپنڈی گئے تھے جس میں انھوں نے سفر کیا تھا۔

ایک سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اُنھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ جس طیارے میں وہ سفر کر رہے ہیں فائل اُسی طیارے کے ذریعے لے جائی گئی۔ انھوں نے مزید وضاحت کی کہ انھیں اُسی طیارے کے ذریعے فائل بھیجنے کا اُس وقت پتا چلا جب انھوں نے فائل بھیجنے کے بارے میں ایک سوال کے بعد اپنے دفتر سے اس سلسلے میں معلوم کیا تھا۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ جہاں تک انھیں معلوم ہے چیف سیکرٹری نے اس فائل کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔

انھوں نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا کہ کیا یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس معاملے میں چیف سیکرٹری سے گفتگو نہیں کی ؟ اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ اس بات کی تردید کر سکتے ہیں کہ نظم و نسق کے معاملات میں چیف سیکرٹری سے مشورہ کرنے کا دستور ہے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اگرچہ سیکرٹریوں کے لیے چیف سیکرٹری سے مشورہ ضروری نہیں تاہم بعض اوقات وہ اُن سے مشورہ کر لیتے ہیں۔

انھوں نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا کہ نظم و نسق سے متعلق اہم معاملات میں ہوم سیکرٹری چیف سیکرٹری سے مشورہ کرتا ہے

میاں محمود علی قصوری: "میں کہتا ہوں کہ آپ نے چیف سیکرٹری کو اس لیے اندھیرے میں رکھا کہ آپ جانتے تھے کہ چیف سیکرٹری نظر بندی کے سلسلے میں آپ سے اتفاق نہیں کریں گے۔"

ہوم سیکرٹری: "یہ غلط ہے اگرچہ مختلف محکموں کے سیکرٹری اہم معاملات پر نوٹ لکھنے سے قبل چیف سیکرٹری سے مشورہ کرتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں۔ بعض اوقات مشورہ نہیں بھی کیا جاتا۔ بہرحال میں چیف سیکرٹری سے نظم و نسق کی عام صورت حال کے بارے میں بات چیت کرتا رہا جو نومبر ۱۹۶۸ء میں بعض لیڈروں کی سرگرمیوں کی وجہ سے تیزی سے خراب ہو رہی تھی۔"

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ وہ نظر بندی کے سلسلے میں صوبائی وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ سے مشورہ نہیں کر سکے تھے، کیونکہ وہ ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو دورے پر تھے۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو جب انھوں نے اپنا نوٹ لکھا، مسٹر بھٹو لاہور میں تھے۔ جب اُن سے یہ پوچھا گیا کہ کیا اُس وقت لاہور میں نظم و نسق کی غیر معمولی صورت حال تھی تو ہوم سیکرٹری نے کہا کہ نظم و نسق کی عام صورت حال خراب تھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ بھٹو صاحب نے ۱۱ نومبر کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن لاہور میں تقریر کی تھی۔

جب اُن سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا انھوں نے گورنر کے نام اپنے نوٹ میں ۱۱ نومبر کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے جلسے کا بھی ذکر کیا تھا تو انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔

میاں محمود علی قصوری نے ہوم سیکرٹری کو بتایا کہ انھوں نے کہا ہے کہ انھوں نے اپنا نوٹ ۱۱ نومبر کی صبح کو آٹھ اور گیارہ بجے کے درمیان لکھوایا جبکہ بار کا جلسہ دوپہر کے وقت ہوا تھا۔ یہ دونوں باتیں ہم آہنگ کیسے ہو سکتی ہیں۔

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اُن کے سٹینو تقریباً ڈیڑھ بجے نوٹ ٹائپ کر کے لائے تھے جب وہ ٹائپ شدہ نوٹ پڑھ رہے تھے تو انھیں ایک ٹیلیفون آیا جس سے اُنھیں طلباء کے متعلق مسٹر بھٹو کے ریمارکس کا پتا چلا۔

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ پھر انھوں نے ڈسٹرکٹ بار میں مسٹر بھٹو کی تقریر کے متعلق سطریں سٹینو کو لکھوا دیں۔ سٹینو نے نوٹ پھر ٹائپ کیا اور دستخط کرانے کے لیے دوبارہ ٹائپ شدہ نوٹ سہ پہر ۲ بجے لے کر آیا۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ دو بجے سہ پہر دفتر سے گھر روانہ ہوئے۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھے کہ انھیں چیف سیکرٹری کا ٹیلی فون موصول ہو گیا۔

چائے کے وقفے کے بعد جب سماعت دوبارہ شروع ہوئی تو درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے ہوم سیکرٹری سے سوال کیا کہ ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کا اجلاس کس وقت ہوا تھا ہوم سیکرٹری نے کہا کہ یہ اجلاس ساڑھے بارہ اور ڈیڑھ بجے کے درمیان ہوا تھا۔

ہوم سیکرٹری نے درخواست دہندہ کے وکیل کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ نوٹ لاہور میں نہیں راولپنڈی میں تیار کیا گیا تھا۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اُنھیں یقین ہے کہ ۱۱ نومبر ۱۹۶۸ء کو وزیر داخلہ لاہور میں موجود نہیں تھے۔ بہرحال وہ یہ نہ بتا سکے کہ قاضی فضل اللہ کب لاہور سے باہر گئے تھے۔ ایک سوال کا

جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ درست ہے کہ وزیر داخلہ کے دورے کا پروگرام ان کے پاس آیا تھا۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ نجی اور سرکاری املاک کے نقصان کی فہرست میں ۱۱ نومبر کو لاہور، پشاور، ڈیرہ اسماعیل خاں، شیرپاؤ اور چارسدہ میں کسی نقصان کا ذکر نہیں ہے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ گورنر کو نوٹ کے ساتھ دستاویزات کی کوئی فہرست نہیں بھیجی گئی تھی۔

انھوں نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ قریبی ترین واقعہ جس کا فائل میں ذکر ہے ۲۱ ستمبر ۱۹۶۸ء کو ہوا تھا۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ کیا درست ہے کہ نظربندی کی وجوہ میں پانچ کے سوا کوئی اور مخصوص وجہ نہیں ہے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ ان کے علاوہ مختلف واقعات اور مشاہدات بھی نظربندی کی وجوہ میں شامل ہیں۔

ہوم سیکرٹری سے سوال کیا گیا کہ نوٹ تیار کرتے وقت انھوں نے کن دستاویزات پر انحصار کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ انھوں نے آغا محمد علی خان کی ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء کی انفرمیشن رپورٹ اور یکم نومبر کی سپیشل برانچ کے سپرنٹنڈنٹ کی سیاسی ڈائری پر انحصار کیا تھا۔

ان سے پوچھا گیا کہ وہ کونسا مواد تھا جس کے بارے میں یہ سمجھا گیا ہے کہ اُس نے لوگوں کو بھڑکایا ہے۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ یہ ۲۱ ستمبر ۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں مسٹر بھٹو کی تقریر تھی۔

انھوں نے ڈیرہ اسماعیل خاں میں پیپلز پارٹی کے دفتر میں کی گئی تقریر کا بھی ذکر کیا جس میں مسٹر بھٹو نے کہا تھا میدان میں آستینیں اوپر کرو، ہماری آستینیں اُوپر ہے اور اس کے بعد مسٹر بھٹو نے اپنی آستینیں اُوپر چڑھا لی تھیں۔ اس پر ہجوم میں سے ایک آدمی نے اپنی رائفل بلند کرتے ہوئے کہا تھا "ہم مقابلے کو تیار ہیں"۔ مسٹر بھٹو نے بھی تقریباً تیس سیکنڈ تک اپنا مکا ہوا میں لہرایا تھا۔

حیدرآباد کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اس تقریر میں مسٹر بھٹو نے کہا تھا کہ وہ انڈونیشیا سے آبدوزیں اور طیارے لے کر آئے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اب حکومت ایران، چین اور انڈونیشیا سے ایک فاضل پُرزہ بھی حاصل نہیں کر سکتی۔ انھوں نے کہا کہ یہ بات سرکاری راز افشا کرنے کے مترادف ہے اور اس قسم کے انکشافات سے پاکستان کے دوسری طاقتوں سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔

اس پر قصوری صاحب نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ اس بات پر غور کریں اور بتائیں کہ "اس قسم کے انکشافات سے پاکستان کے دوسری طاقتوں سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں" سے ان کا قطعی طور پر کیا مطلب ہے۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ اس فقرے کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔

قصوری صاحب نے سوال کیا کہ اس میں کن دوسری طاقتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اس لفظ کو سیاق وسباق میں پڑھا جائے تو اس میں ایران، چین اور انڈونیشیا آتے ہیں۔ اگرچہ "دوسری طاقتیں" ایک بہت وسیع اصطلاح ہے اور اس میں دوسری طاقتیں بھی آتی ہیں۔

قصوری صاحب کی اس بات کے جواب میں کہ "دوسری طاقتوں" میں ایران چین اور انڈونیشیا شامل نہیں کیونکہ ان کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جب قصوری نے یہ پوچھا کہ کیا وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دوسری طاقتوں سے مراد دوسرے ملک ہیں تو ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ طاقتیں ملکوں کے ہم معنی نہیں ہیں۔ بہرحال ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ بعض اوقات ایک یا دو ملک ایک طاقت کے مترادف سمجھے جا سکتے ہیں۔

قصوری صاحب نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ ان ملکوں کے نام بتائیں جو "دوسری طاقتوں" کے سیاق وسباق میں شامل ہیں۔

اس مرحلے پر عدالت نے مداخلت کی اور ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ قطعی جواب دیں۔ قصوری صاحب نے گواہ سے ریٹائر ہونے کے لیے کہا اور عدالت سے کہا کہ اُن کے نزدیک نظربندی کے احکامات کی جو وجوہ بتائی گئی ہیں حقیقت میں وہ مسٹر بھٹو کی نظربندی کی بنیاد نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نظربندی کے اسباب اعلانِ تاشقند سے شروع ہوتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حکومت یہ وجوہ نہیں بتانا چاہتی۔ قصوری صاحب نے مزید کہا کہ حکومت بھارت سے اپنے تعلقات کے تذکرے کے سلسلے میں بھی ذکی الحس ہے۔ عدالت نے قصوری صاحب کو اس سلسلے میں ہوم سیکرٹری سے سوال کرنے کی اجازت دے دی۔

ہوم سیکرٹری کو واپس بلایا گیا۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ دوسرے ملکوں کی تخصیص نہیں کر سکتے۔ قصوری صاحب نے پوچھا کہ کیا بھارت ان دوسرے ملکوں میں شامل ہے۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا "بھارت کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے"۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے بتایا کہ صوبے کے مختلف حصوں میں املاک کے نقصان کے بارے میں جو فہرست پیش کی گئی ہے اُس میں ۷ نومبر ۱۹۶۸ء کو راولپنڈی میں املاک کی تباہی کے سلسلے میں تذکرہ موجود ہے۔

انھوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ سات نومبر ۱۹۶۸ء کو ہوٹل انٹرکانٹیننٹل کے باہر جمع ہونے والے طلباء پر لاٹھی چارج کیا گیا تھا۔ انھوں نے

کہا کہ یہ واقعہ سوا تین اور ساڑھے تین بجے سہ پہر کے درمیان ہوا تھا۔ ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ انھیں یہ علم نہیں کہ مسٹر بھٹو اس واقعے سے دو یا تین گھنٹے بعد ہوٹل میں آئے تھے۔ انھوں نے مسٹر قصوری کی اس بات سے اتفاق نہ کیا کہ راولپنڈی کے حکام پسند نہیں کرتے تھے کہ طلبا مسٹر بھٹو کے استقبال کے لیے جمع ہوں۔

ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی کا واقعہ سوا تین اور ساڑھے چار بجے سہ پہر کے درمیان ہوا تھا۔ وہ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ میں مسٹر بھٹو کی آمد کا قطعی وقت بتانے سے قاصر رہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ پشاور سے آمد پر طلبا اور دوسرے لوگوں نے مسٹر بھٹو کا استقبال کیا تھا۔ ہوم سیکرٹری نے کہا کہ یہ سچ ہے کہ ایک طالب علم عبدالحمید پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ کے قریب پولیس فائرنگ کے نتیجے میں ہلاک ہو گیا تھا۔ انھوں نے اس بات سے لاعلمی ظاہر کی کہ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے واقعات کا ایک دوسرے سے ربط نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ وہ اس بات سے بھی آگاہ نہیں ہیں کہ پولی ٹیکنک انسٹی ٹیوٹ اور ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے درمیان تقریباً پانچ میل کا فاصلہ ہے ہوم سیکرٹری نے کہا کہ وہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ املاک کا تمام نقصان ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے مسٹر بھٹو کے ڈیرہ اسماعیل خاں کے دورے کے دوران وزیر مال خان غلام سرور خان کی وہاں موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔

۱۰ جنوری

مسٹر بھٹو کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت کے دوسرے روز درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے صوبائی ہوم سیکرٹری پر جرح کا سلسلہ جاری رکھا۔ بیگم نصرت بھٹو مسٹر بھٹو کے تینوں بچے، رشتہ دار، دوست اور رفقاء عدالت میں موجود تھے۔

میاں محمود علی قصوری نے گواہ پر سوال شروع کیے۔

سوال: مسٹر بھٹو کو نظر بند کرنے کے سلسلے میں کب غور کیا گیا تھا

جواب: جیسا کہ میں نے کل کہا تھا بعض سیاسی لیڈروں کی سرگرمیوں کے سبب نومبر ۱۹۶۸ء کے آغاز سے امن و امان کی عام صورتِ حال تیزی سے خراب ہو رہی تھی۔ مختلف حکام کے درمیان اجلاسوں اور بات چیت میں یہ معاملہ مسلسل زیرِ غور رہا۔ جہاں تک مسٹر بھٹو کی نظر بندی کا تعلق ہے اس سلسلے میں انسپکٹر جنرل پولیس نے مجھے ایک قطعی تجویز پیش کی تھی۔ گورنر کے نام میرے نوٹ میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سوال: کیا ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء سے قبل مسٹر بھٹو کو گرفتار کرنے کی کوئی تجویز تھی۔

جواب: اُس وقت تک مسٹر بھٹو کو گرفتار کرنے کی کوئی قطعی تجویز نہیں تھی۔

سوال: کیا اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا گیا تھا۔

جواب: میں اس سوال کا پہلے ہی جواب دے چکا ہوں

سوال: آپ کو سپیشل برانچ کے مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ کب وصول ہوئی۔

جواب: مسٹر عبدالقیوم اپنی رپورٹ کا مسودہ لے کر ۱۰ نومبر کی شام کو خود میرے گھر آئے تھے۔ اُس پر اُن کے دستخط نہیں تھے۔ وہ اس مسودے کی ایک نقل مجھے دے گئے تھے انہوں نے بتایا تھا کہ اس میں ٹائپ کی بعض معمولی غلطیاں ہیں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ آخری رپورٹ اگلے روز بھیج دیں گے۔ ۱۱ نومبر کو تقریباً ڈیڑھ بجے انہوں نے دستخط شدہ آخری رپورٹ بھیج دی۔

سوال: کیا آپ اپنے نوٹ کے دوسرے پیراگراف پر نظر ڈالیں گے اور عدالت کو بتائیں گے کہ جب آپ نے نوٹ لکھا تو آپ کے پاس مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ موجود تھی۔

جواب: اس سوال کا جواب آپ کے پہلے سوال کے جواب میں دے چکا ہوں اُس وقت مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ کے غیر دستخط شدہ مسودے کی نقل میرے پاس تھی لیکن دستخط شدہ نقل مجھے ڈیڑھ بجے موصول ہوئی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں دستاویزیں ایک دوسرے سے مماثل تھیں سوائے اس کے کہ آخری اور اصل رپورٹ "اپ ٹو ڈیٹ" تھی۔

سوال: کیا رپورٹ میں کوئی تبدیلی کی گئی تھی۔

جواب: میں نہیں سمجھتا کہ اس میں تبدیلیاں کی گئی تھیں

سوال: جب آپ نے اپنا نوٹ لکھوایا، کیا آپ کے پاس املاک کے نقصانات کی تفصیلی رپورٹ موجود تھی۔

جواب: جی ہاں۔ میرے نوٹ سے یہی تاثر ملتا ہے۔ میں نے اپنے دفتر کو ہدایت کی تھی کہ نقصانات کے متعلق نوٹ تیار کیا جائے اور اسے ہر اعتبار سے "اپ ٹو ڈیٹ" بنایا جائے۔ ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء کے واقعات کی اطلاع پہلے ہی میرے دفتر کو مل چکی تھی اور ۱۱ نومبر کے واقعات کے متعلق تفصیل، جو بعد میں شامل کی گئی، مجھے ٹیلیفون سے آنے والے پیغامات، انفرمیشن برانچ کی رپورٹوں، انسپکٹر جنرل پولیس، کمشنروں اور ڈپٹی کمشنروں کے ذریعے موصول ہوئی تھی۔ ۱۱ نومبر قبل از دوپہر جب میں اپنے نوٹ کا تیسرا پیراگراف لکھوا رہا تھا تو میں نے اپنے دفتر کو ہدایت کی کہ وہ ترسیل کے لیے فائل کی تیاری تک تمام تفصیلات اس میں شامل کرے۔

سوال: کیا یہ فرض کرنا درست ہو گا کہ جب آپ دفتر سے گھر روانہ ہوئے تو مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ آپ کو مل چکی تھی۔

جواب: ہاں یہ فرض کرنا درست ہو گا۔

سوال: کیا آپ مسٹر قیوم کی رپورٹ کا مسودہ پیش کر سکتے ہیں

جواب: میں رپورٹ کا مسودہ پیش کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ میں نے اصل رپورٹ موصول ہونے کے بعد تلف کر دیا تھا۔

اس مرحلے پر میاں محمود علی قصوری نے عدالت کو متوجہ کیا کہ اصل رپورٹ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کے پہلے دو صفحات دوبارہ ٹائپ کیے گئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ ہوم سیکرٹری کے اس جواب سے مطمئن نہیں ہیں کہ مسٹر قیوم کی اصل رپورٹ ۱۱ نومبر کو سوا ایک بجے سہ پہر اُن کے پاس موجود تھی۔ کیونکہ یہ بڑی طویل رپورٹ ہے اور اسے ۱۰ نومبر کی شام اور اگلے روز سوا ایک بجے سہ پہر کے درمیان صحیح لکھوا کر دوبارہ ٹائپ میں کرایا جا سکتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹ بعد میں تیار کی گئی ہے۔ اس مرحلے پر مسٹر محمود علی قصوری نے اس بات پر زور دیا کہ اُن کی یہ بات ریکارڈ کی جائے۔ عدالت نے یہ تحریر کرنے کا حکم دیا کہ مسٹر محمود علی قصوری یہ بات ریکارڈ کرانا چاہتے ہیں کہ دو صفحات میں کوئی ایسی عدم مماثلت نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ دوبارہ ٹائپ کیے گئے تھے۔ عدالت نے ان صفحات کو ملاحظہ کیا اور اس سلسلے میں بعد میں رائے ظاہر کرنے کا فیصلہ کیا۔

سوال:۔ آپ کے دفتر میں مختلف ذرائع سے اطلاعات وصول کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ کیا سیکرٹریٹ میں اطلاعات کی وصولی کا کوئی ریکارڈ ہے۔

جواب: جہاں تک املاک کے نقصان سے متعلق رپورٹ کا تعلق ہے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ کس طریقے سے تیار کی گئی تھی۔ محکمہ داخلہ مختلف ذرائع سے اطلاعات حاصل کرتا ہے۔ چونکہ حالات خراب تھے اس لیے تمام اطلاعاتی اداروں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ ٹیلیفون کے ذریعے محکمہ داخلہ کو حالات سے آگاہ کرتے رہیں۔

سوال: کیا آپ سیکرٹریٹ میں اطلاعاتی اور واقعاتی رپورٹوں کا ریکارڈ رکھتے ہیں؟

جواب: عام طور سے موصول ہونے والے کاغذات کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ لیکن ٹیلی فون کالوں کا ریکارڈ رکھنے کا کوئی انتظام نہیں۔

سوال:۔ نقصانات کی فہرست میں ۱۱ نومبر کو مختلف مقامات پر نقصانات کے سلسلے میں کم از کم پندرہ اندراجات ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فہرست زبانی نہیں بلکہ تحریری رپورٹوں کی مدد سے تیار کی گئی تھی۔

جواب:۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں یہ رپورٹ ٹیلیفون کے ذریعے موصول ہونے والی اطلاعات سے تیار کی گئی تھی۔

سوال: کیا املاک کے نقصان کے بارے میں رپورٹ میں اندراجات کرنے سے قبل ٹیلی فون سے موصول ہونے والی اطلاعات ریکارڈ کی گئیں تھیں؟

جواب: میں یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ یہ باقاعدہ طور پر ریکارڈ کی گئی تھیں یا نہیں۔

سوال: آپ کے علاوہ کون افسر ٹیلی فون سے آنے والے پیغامات وصول کرتا ہے؟

جواب: میرے ڈپٹی سیکرٹری مسٹر طلعت عثمانی اور اس قسم کے دوسرے افسر جو اس وقت موجود ہوں۔

سوال: یقینی طور پر یہ پیغامات نوٹ ہوتے ہوں گے۔

جواب: ٹیلی فون پر ملنے والی اطلاعات کو اختصار سے رف لکھ لیا جاتا ہے۔ ان کی بنیاد پر وہ رپورٹ بنتی ہے جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اطلاعات کے رف نوٹ محفوظ نہیں رکھے جاتے۔

سوال: کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دفتر کو جو پیغامات بھیجے جاتے ہیں مثلاً گولی چلنے کے واقعات کے بارے میں جن میں بعض افراد ہلاک ہو جائیں اُن کو ریکارڈ نہیں کیا جاتا؟

جواب: ہنگامی حالت میں تمام پیغامات کا ریکارڈ رکھنا ممکن نہیں ہے۔

سوال: املاک کے نقصان کے بارے میں فہرست کس افسر نے تیار کی تھی؟

جواب: محکمہ داخلہ کے ڈپٹی سیکرٹری مسٹر طلعت عثمانی نے۔

سوال: کیا آپ کے محکمے کے پاس ڈیسپیچ رجسٹر ہے؟

جواب: یقینی طور پر وہاں ڈیسپیچ رجسٹر ہوگا بہرحال میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔

سوال: کیا آپ ڈیسپیچ رجسٹر کے بارے میں اپنے دفتر سے معلوم کر سکتے ہیں؟

جواب: ہاں۔

عدالت نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ آئندہ سماعت پر اس سلسلے میں جواب دیں۔

سوال: کیا آپ جانتے ہیں کہ مسٹر بھٹو اکتوبر ۱۹۵۸ء سے جون ۱۹۶۶ء تک مرکزی کابینہ کے وزیر تھے اور ان کا آخری عہدہ وزیر خارجہ کا تھا۔

جواب: ہاں

سوال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ اُنہیں "ہلال پاکستان" دیا گیا تھا؟

جواب: ہاں۔

سوال: آپ نے اپنے نوٹ کے ساتویں پیراگراف میں لکھا ہے "موجودہ حکومت کے خلاف منتقمانہ عزائم کی تکمیل کی خاطر" براہ کرم عدالت کے سامنے اس کی وضاحت کیجئے۔ کہ موجودہ حکومت کے خلاف مسٹر بھٹو کیا بغض رکھتے ہیں؟

جواب: میرا خیال ہے کہ یہ مسٹر بھٹو ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا بغض رکھتے ہیں۔

اس مرحلے پر عدالت نے کہا کہ یہ نوٹ ہوم سیکرٹری نے لکھا ہے اس لیے انہیں اس بات سے آگاہ ہونا چاہیے کہ موجودہ حکومت کے خلاف وہ کیا بغض ہے جو انہوں نے مسٹر بھٹو سے منسوب کیا ہے۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ یہ تاثر انہوں نے مسٹر بھٹو کی اُن تقریروں سے قائم کیا ہے جو عدالت کے سامنے پیش کردہ ریکارڈ میں شامل ہیں۔

سوال: ان تقریروں کے علاوہ آپ کے پاس کوئی اور بنیاد نہیں؟

جواب: نہیں۔

سوال: آپ نے مسٹر بھٹو کو پریشان کرنے کی ابتدا کب کی تھی؟

جواب: میں نے مسٹر بھٹو کو پریشان نہیں کیا۔

سوال: آپ جانتے ہیں کہ حکومت کے نوٹیفکیشنوں کے تحت مسٹر بھٹو کو بعض ہتھیار رکھنے کے سلسلے میں رعائتیں دی گئی تھیں۔ ۱۹ جولائی ۱۹۶۷ء کو مسٹر

بھٹو کے اسلحہ کے لائسنس منسوخ کرنے کے سلسلے میں آپ کے دستخطوں سے ایک نوٹیفکیشن جاری ہوا تھا۔

جواب: ہاں

سوال: کیا حکومت اور حکام کا معمول ہے کہ اپوزیشن لیڈروں نے جن مقامات کا دورہ کرنا ہو اور جہاں عام جلسوں سے خطاب کرنا ہو وہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی جائے۔ کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ مسٹر بھٹو کے دورے کے دوران اور اس سے تھوڑی دیر پہلے راولپنڈی، پشاور، حیدر آباد، لاہور اور مردان میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی تھی۔

جواب: یہ معاملہ ریکارڈ سے تعلق رکھتا ہے اور میں متعلقہ حکام کے پاس موجود ریکارڈ دیکھ کر اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔

سوال: کیا آپ کو علم ہے کہ مسٹر بھٹو نے گزشتہ سال اکتوبر ۱۹۶۸ء میں صوبہ سرحد کا دورہ کیا تھا؟

جواب: میرا خیال ہے کہ اُن کے دورے کے پروگرام کا اعلان کیا گیا تھا۔

سوال: پشاور میں مسٹر بھٹو کی آمد سے تھوڑی دیر قبل دفعہ ۱۴۴ کے تحت ایک حکم جاری کر دیا گیا تھا؟

جواب: میں نہیں کہہ سکتا۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ پشاور کے حکام سے معلوم کرنے پر آئندہ سماعت کے موقع پر اس کا جواب دیں۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ مسٹر بھٹو اکتوبر ۱۹۶۸ء میں پشاور گئے تھے؟

جواب: ہاں

سوال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی وزیر تجارت مسٹر ہوتی نے اعلان کیا تھا کہ جب صدر پشاور آئیں گے تو تین لاکھ افراد اُن کا خیر مقدم کریں گے؟

جواب: ہو سکتا ہے اُنہوں نے کہا ہو۔ مجھے معلوم نہیں

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ مسٹر ہوتی نے کہا تھا کہ صدر کو پشاور کے عوام کی طرف سے دس لاکھ روپے پیش کیے جائیں گے؟

جواب: ممکن ہے کہا ہو۔ مجھے معلوم نہیں۔

سوال: کیا آپ جانتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کا پروگرام تھا کہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو پشاور میں تقریر کریں۔

جواب: میں نہیں جانتا۔ بہرحال مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ اکتوبر ۱۹۶۸ء کے اواخر میں پشاور پہنچے تھے

سوال: کیا آپ مسٹر بھٹو کے جلسے کے بارے میں پشاور کے حکام سے پوچھ کر جواب دے سکتے ہیں۔

جواب: ہاں

سوال: مسٹر بھٹو نے پشاور میں کہا تھا کہ انہیں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے سبب ۲۶ اکتوبر کو تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی حالانکہ صدر ۱۰ نومبر کو جلسۂ عام سے خطاب کرنے والے ہیں۔ ۲۵ اکتوبر کو پشاور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی اور ۴ نومبر کو اُس کی میعاد ختم ہونے والی تھی۔ مسٹر بھٹو نے کہا کہ وہ دفعہ ۱۴۴ کے مذکورہ حکم کی میعاد ختم ہونے کے بعد ۵ نومبر کو جلسہ منعقد کریں گے اور اگر انہیں اس کی اجازت نہ دی گئی تو وہ ۱۰ نومبر کو پشاور کے عوام سے خطاب کریں گے۔ جب صدر صاحب جلسۂ عام سے خطاب کرنے والے ہیں۔

جواب: ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء کی سپیشل برانچ کی رپورٹ میں ایک مختصر تقریر مسٹر بھٹو سے منسوب کی گئی ہے جس میں اُنہوں نے استقبال کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ مختلف مقامات کا دورہ کریں گے اور دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود عوام سے خطاب کریں اور اُن الزامات کا جواب دیں گے جو مسٹر موسیٰ نے اُن پر عائد کیے ہیں۔

سوال: میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ اگر یہ درست ہوتا تو مسٹر بھٹو پروگرام کے مطابق ۲۶ اکتوبر کو جلسہ سے خطاب کرتے

جواب: میں ایسا نہیں سمجھتا۔

سوال: جس رپورٹ کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ ایڈیشنل آئی جی سپیشل برانچ آغا محمد علی خاں کی تھی جو لاہور میں تعینات ہیں اور انہوں نے یہیں سے وہ رپورٹ لکھی تھی۔

جواب: یہ رپورٹ پشاور سے ارسال کردہ رپورٹ پر مبنی ہونی چاہیے۔

سوال: کیا آپ پشاور میں مسٹر بھٹو کی آمد کے متعلق فیلڈ افسر کی رپورٹ پیش کر سکتے ہیں

اس مرحلے پر عدالت نے کہا کہ یہ رپورٹ فائل میں نہیں ہے۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ اس سلسلے میں سول قانون کے تحت فریقین جرح میں اسی دستاویزات کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو دوسری پارٹی کے پاس ہوں لیکن وہ انہیں پیش نہ کرنا چاہتی ہو کیونکہ اس سے اس کا کیس خراب ہوتا ہو۔ فاضل ججوں نے کہا کہ انہیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا اُن دستاویزات کی بنیاد پر نظر بندی کا جواز ہے جو گورنر کے سامنے پیش کی گئی تھیں اور جن پر اُنہوں نے اپنا حکم جاری کیا۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ مسٹر بھٹو نے دفعہ ۱۴۴ کے حکم کی میعاد ختم ہو جانے کے ایک روز بعد ۵ نومبر کو پشاور میں ایک جلسے سے خطاب کیا اور آپ نے پارٹی کے پہلے اعلان کے مطابق ۲۶ اکتوبر کو جلسہ منعقد نہیں کیا۔

جواب: میں متعلقہ حکام سے پوچھنے کے بعد جواب دے سکتا ہوں۔

عدالت نے مسٹر قصوری سے کہا کہ وہ ہوم سیکرٹری کو اُن سوالات کی ایک فہرست دیں جن کے جواب دینے کے لیے ہوم سیکرٹری کو متعلقہ حکام سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ عدالت نے ہوم سیکرٹری سے بھی کہا کہ وہ آئندہ سماعت کے موقع پر ضروری معلومات حاصل کر کے آئیں۔

سوال: ۲۶ اکتوبر کو بھٹو صاحب کا چوک یادگار میں جلسہ عام کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن پشاور کے حکام نے انہیں چوک یادگار میں نہیں بلکہ شاہی باغ میں

جلسہ منعقد کرنے کی اجازت دی۔

جواب: میں پشاور سے حکام سے ریکارڈ منگوانے کے بعد اس سوال کا جواب دوں گا۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ شیرپاؤ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی کنونشن بند کرے میں ہوئی تھی اور پارٹی نے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے سبب شیرپاؤ میں کوئی جلسۂ عام بھی منعقد نہیں کیا تھا۔

جواب: میرے پاس تین نومبر ۱۹۶۸ء کو شیرپاؤ میں ہونے والی پیپلز پارٹی کے کنونشن کی رپورٹ موجود ہے میں یہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ وہاں کوئی اور جلسۂ عام منعقد ہوا تھا یا نہیں

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ دوسری پارٹیوں کو چوک یادگار میں عام جلسے کرنے کی اجازت دی گئی لیکن پاکستان پیپلز پارٹی کو اجازت نہیں ملی۔

جواب: میں معلوم کرونگا۔

سوال: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ وزیر تجارت نوابزادہ ہوتی نے دفعہ ۱۴۴ کی پابندیوں کے باوجود بدھائی میں ایک جلسۂ عام منعقد کیا تھا۔

جواب: میں تحقیق کروں گا۔

سوال: براہ کرم اڈیشنل آئی جی سپیشل برانچ آغا محمد علی خاں کی رپورٹ دیکھیے اور جواب دیجیے کہ کیا مسٹر بھٹو کے ڈیرہ اسماعیل کے دورے کو ناکام بنانے کے لیے ایک وزیر وہاں بھیجا گیا تھا۔

جواب: میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔

سوال: آپ جانتے ہوں گے کہ وزیر مال غلام سرور خاں مسٹر بھٹو کے دورے سے پہلے ڈیرہ اسماعیل خان گئے تھے اور جب مسٹر بھٹو وہاں پہنچے تو وہ وہیں موجود تھے۔

جواب: مجھے معلوم نہیں کہ غلام سرور خان مسٹر بھٹو کے دورے کے دوران وہاں موجود تھے۔

سوال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انھوں نے مسٹر بھٹو کے استقبال میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

جواب: مجھے معلوم نہیں۔

سوال: کیا مسٹر بھٹو کے دورے کے دوران ڈیرہ اسماعیل خاں میں "غلام سرور مردہ باد" کے نعرے لگائے گئے تھے۔

جواب: مجھے علم ہے کہ اس قسم کا نعرہ لگایا گیا تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ کیوں؟

سوال: کیا یہ سچ ہے کہ جب غلام سرور خاں نے مسٹر بھٹو کا استقبال کرنے والے ہجوم میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تو انھیں زدوکوب کیا گیا تھا اور اس واقعہ کی رپورٹ مقامی پولیس میں درج کرائی گئی تھی۔

جواب: مجھے معلوم نہیں۔

سوال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسٹر بھٹو کے استقبال کے لیے بڑی تعداد میں



ڈیرہ اسمٰعیل خان میں تشدد کس نے کیا تھا
حق نواز گنڈا پور اس سوال کا مجسم جواب ہیں

آرائشی دروازے بنائے گئے تھے جو پولیس نے اکھاڑ دیے تھے۔

جواب: میں رپورٹ کا متعلقہ حصہ پڑھ کر سناتا ہوں "پیپلز پارٹی والوں نے جو دروازے استقبالیہ بنائے تھے اور جو پلے کارڈ لگائے تھے پولیس نے انھیں اکھاڑ دیا۔"

سوال: کیا آپ کو معلوم ہے کہ غلام سرور خاں ڈیرہ اسماعیل خاں کے موضع پٹیالہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

جواب: ہاں۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ مسٹر غلام سرور خاں کے ایما پر ڈیرہ اسماعیل خاں سے بیس میل دور پارک پولیس سٹیشن کے سامنے مسٹر بھٹو کے خلاف کالی جھنڈیوں سے مظاہرے کا انتظام کیا گیا تھا۔

جواب: سپیشل برانچ کی ایک رپورٹ سے پتا چلتا ہے کہ تقریباً بیس پچیس افراد نے جن میں دس جوان اور باقی سکول کے بچے تھے۔ تین چار کالی جھنڈیوں اور ایک پلے کارڈ سے مظاہرہ کیا تھا۔ پلے کارڈ پر "بزدل بھٹو واپس جاؤ" لکھا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا انتظام کس نے کیا تھا۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ یہ مظاہرہ پولیس سٹیشن کے سامنے ہوا تھا۔



بورسٹل جیل کے باہر بھٹو صاحب کے مداحین کھڑے مقدمے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں

سوال: اگرچہ مظاہرے میں بیس پچیس افراد شریک تھے لیکن سرکاری اطلاع میں بتایا گیا تھا کہ دو سو افراد نے مسٹر بھٹو کے خلاف کالی جھنڈیوں سے مظاہرہ کیا۔

قصوری صاحب نے روزنامہ نوائے وقت سے سرکاری ریلیز پڑھ کر سنائی۔ انھوں نے کہا کہ اس میں جہاں مظاہرہ کرنے والوں کی تعداد بڑھائی گئی ہے وہاں مسٹر بھٹو کا خیر مقدم کرنے والے لوگوں کی تعداد کم بتائی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ سپیشل برانچ پولیس کی رپورٹ میں مسٹر بھٹو کا استقبال کرنے والوں کی تعداد ایک جگہ دس ہزار اور دوسری جگہ تین ہزار درج ہے۔ لیکن سرکاری پریس ریلیز میں یہ تعداد صرف ایک ہزار بتائی گئی ہے۔

عدالت نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ پیر ۱۳ر جنوری کو آئندہ سماعت کے موقع پہ مذکورہ پریس ریلیز لے کر آئیں۔

۱۳ر جنوری

سماعت کے تیسرے روز درخواست گذار مسز نصرت بھٹو اور اُن کے تینوں بچوں کے علاوہ پیپلز پارٹی کے قائم مقام چیئرمین مسٹر جے اے رحیم بھی عدالت میں موجود تھے۔ مسٹر بھٹو کی طبیعت قدرے ناساز تھی۔ تاہم وہ خوش و خرم نظر آرہے تھے۔

درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے صوبائی ہوم سیکرٹری مسٹر مسعود نبی نور پر جرح جاری رکھنے کے علاوہ دستور کی دفعہ ۹۸ (۲) کے تحت عدالت عالیہ کے اختیارات اور نظر بندی کی وجوہ درست ہونے کے بارے میں عدالتی چھان بین کے متعلق بھی اپنی معروضات پیش کیں۔

عدالت نے مسٹر قصوری سے کہا کہ وہ اخبارات کے وہ فائل ہوم سیکرٹری کو دے دیں جن کی بنیاد پر طلبا کے ہنگاموں کے بارے میں ہوم سیکرٹری پر جرح کرنا چاہتے ہیں۔

عدالت نے اٹارنی جنرل کو بھی مطلع کیا کہ اگر وہ انکوائری کے دائرہ کے بارے میں مزید دلائل پیش کرنا چاہیں تو عدالت ۴ فروری کو اُن کے دلائل کی سماعت کرے گی۔

درخواست دہندہ کے وکیل نے عدالت کے اختیار کے سوال پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کے اس فیصلے کا کہ ہائی کورٹ نظر بندی کے سلسلے میں گورنر کے احکام کے خلاف اپیل کی سماعت نہیں کرتا مطلب محض یہ ہے کہ عدالت کا اختیار صرف اس مواد تک محدود نہیں ہے جو نظر بندی کے احکام جاری کرنے سے قبل گورنر کے سامنے ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جب تک اپیل کی سماعت کرنے والی عدالت کو قانون نیا مواد، طلب کرنے کا اختیار نہ دے اور وہ اس اختیار نہ دے اور وہ اس اختیار کو استعمال کرنے کا فیصلہ نہ کرے۔ اس کا دائرہ اس ریکارڈ تک محدود ہوتا ہے جو ٹرائل کورٹ کے سامنے ہو۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ پریوی کونسل اور پاکستان اور بھارت کی عدالتوں کے پہلے فیصلوں میں تسلیم کیا گیا ہے کہ بدنیتی عدالت کے سامنے لائی جاسکتی ہے اور ثابت کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بدنیتی پر مبنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل وہ نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے بلکہ وہ ایسے حالات کا نتیجہ ہے جو لازمی طور پر ریکارڈ میں موجود نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۹۶۲ء کے آئین سے بھی قبل عدالتیں گورنر کے سامنے موجود ریکارڈ کے علاوہ دوسرے مواد پر بھی غور کرسکتی تھیں۔

انہوں نے کہا کہ مسٹر باقی بلوچ مسٹر غلام جیلانی اور آغا شورش کاشمیری کے مقدمات میں سپریم کورٹ کے فیصلوں سے ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں کمی نہیں بلکہ توسیع ہوئی ہے اگر اس سے پہلے عدالتیں نظر بندی کرنے والی اتھارٹی کے سامنے پیش کردہ دستاویزات کے علاوہ دوسرے مواد پر غور کرسکتی تھیں تو اب بھی کرسکتی ہیں۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ جب سپریم کورٹ یہ کہتی ہے کہ ایک معقول آدمی حکم جاری

کرسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ شخص میسر مواد پر غور نہیں کرتا جو اُسے ایک مختلف نتیجے پر پہنچا سکتا ہے تو عدالت کو بھی اُس میسر مواد پر غور نہیں کرنا چاہیئے جس پر متعلقہ اتھارٹی نے غور نہیں کیا۔

درخواست دہندہ کے وکیل نے مزید کہا کہ آئین کی دفعہ ۹۸ (۲) (ب) کے تحت عدالت کو نظر بندی کی قانونی حیثیت اور باقاعدگی کا اطمینان کرنا چاہیئے۔ وہ یہ نہیں کہتی کہ عدالت کا دائرہ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے گورنر کے سامنے پیش کیے گئے مواد تک محدود ہے۔ عدالت کی کارکردگی ایک جوڈیشل عمل ہے اور تمام جوڈیشل عمل کی بنیاد یہ ہے کہ فریقین کو اپنا موقف ثابت کرنے اور دوسرے کے موقف کو غلط ثابت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ اگر نظر بند کو اُس مواد تک محدود رکھا جائے جو گورنر کے سامنے پیش کیا گیا ہو تو اس کا اپنا موقف ثابت کرنے کا حق شدید طور پر متاثر ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ عدالت کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آیا کوئی معقول شخص یہ حکم جاری کرسکتا ہے۔ اُسے خود کو اس مواد تک محدود نہیں رکھنا چاہیئے جو اس کے سامنے اُس کے ماتحت پیش کریں۔ اگر ایسا ہو تو وہ اپنے ماتحتوں کا منہ بن کر رہ جاتا ہے۔

عدالت نے مسٹر قصوری کے دلائل سننے کے بعد کہا کہ اس سوال پر زیادہ تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔ اگر کسی فریق کو عدالت کے حکم پر اطمینان نہ ہو تو وہ سپریم کورٹ سے رجوع کرے گا۔ عدالت عبوری حکم سنانا پسند نہیں کرتی کیونکہ یہ نظر بند کے مفاد کے منافی ہوگا اور اس سے کارروائی طوالت اختیار کر جائے گی۔

فاضل ججوں نے کہا کہ وہ فی الحال متعلقہ سوال پوچھنے کی اجازت دیں گے لیکن سماعت کے آخری مرحلے پر عدالت کے اختیارات کے دائرے کے بارے میں درخواست دہندہ کے وکیل کے دلائل کی سماعت کریں گے اور اگر عدالت نے یہ محسوس کیا کہ کچھ ایسے مواد کو ریکارڈ پر لایا گیا ہے جسے قانونی طور پر نہیں لایا جاسکتا تھا تو فیصلے کے وقت اس مواد کو پیش نظر نہیں رکھا جائے گا۔

ہوم سیکرٹری نے لاہور، راولپنڈی، پشاور، حیدر آباد اور ڈیرہ اسماعیل خاں اور دوسرے مقامات پر دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے بارے میں دستاویز عدالت میں پیش کی۔

سوال: براہِ کرم عدالت کو بتائیے کہ آیا دفعہ ۱۴۴ کے تحت احکامات میں عام جلسے منعقد کرنے جلوس نکالنے اور لاوڈ سپیکر استعمال کرنے پر پابندی عائد کی گئی تھی۔

جواب: احکامات کی نقول میرے پاس نہیں ہیں اس لیے میں اُن کا متن بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ بہرحال اس قسم کے احکامات کے تحت مخصوص وقت پر صورتِ حال کے مطابق عام طور پر عام جلسوں وغیرہ پر پابندی نافذ کی جاتی ہے۔

مسٹر قصوری نے عدالت سے کہا کہ ہوم سیکرٹری سے کہا جائے کہ وہ احکامات کی نقول عدالت کے سامنے پیش کریں۔ عدالت نے ہوم سیکرٹری کو اس سلسلے میں ہدایت کردی۔

سوال: ڈیرہ اسماعیل خاں اور مردان میں کس بنا پر دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی تھی؟

جواب: میں احکامات پیش کردوں گا جن میں وجوہ درج کی گئی ہیں۔

سوال: مسٹر بھٹو ستمبر میں پشاور کا دورہ کرنے والے تھے اور انہیں جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس روز پشاور میں دفعہ ۱۴۴ اس لیے نافذ کی گئی تھی کہ انہیں وہاں جلسہ عام کرنے سے روکا جاسکے۔ اور اسی لیے مسٹر بھٹو نے اپنا وہ دورہ منسوخ کر دیا تھا۔

جواب: مجھے ذاتی طور پر یہ حکم جاری کرنے کی وجوہ کے بارے میں علم نہیں ہے۔ میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ مسٹر ستمبر ۱۹۶۵ء میں پشاور کا دورہ کرنے والے تھے

سوال: ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ مسٹر بھٹو کا ۲۶ اکتوبر کو پشاور میں تقریر کرنے کا پروگرام تھا۔

جواب: میں نے ڈپٹی کمشنر پشاور سے معلوم کیا ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے منتظمین نے چوک یادگار میں ایک جلسہ عام کرنے کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان اجازت لیے بغیر کیا گیا تھا جو دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے دوران ضروری ہوتی ہے۔ بعد میں انہوں نے اجازت مانگی لیکن انکار کر دیا گیا۔

عدالت کے ایک سوال کے جواب میں ہوم سیکرٹری نے بتایا کہ انہوں نے ڈپٹی کمشنر پشاور سے پوچھا ہے جنہوں نے بتایا ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے تحت جاری کیے گئے حکم میں عام جلسے منعقد کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں بھی ایک شق موجود تھی۔

سوال: آیا وزیر تجارت نوابزادہ ہوتی کو دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود ضلع پشاور میں جلسہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

جواب: میں نے اس سلسلے میں پتہ کیا ہے کہ مسٹر ہوتی نے حجرہ ارباب محمد خان میں ایک جلسہ سے خطاب کیا تھا۔ اس کے لیے اجازت مانگی گئی تھی اور ڈپٹی کمشنر نے دے دی تھی۔ ڈپٹی کمشنر نے یہ بھی بتایا ہے کہ شیر پاؤ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی کنونشن میں لاوڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ شیر پاؤ میں پاکستان پیپلز پارٹی کی کنونشن میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت کے لیے ایک درخواست دی گئی تھی لیکن وہ رد کر دی گئی تھی اور جلسے کے منتظمین کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا تھا۔

جواب: میں معلوم کرنے کے بعد اس کی تصدیق کرسکوں گا۔

سوال: کیا یہ حقیقت ہے کہ مسٹر بھٹو کو چوک یادگار میں جلسہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور انہیں ۵ نومبر ۱۹۶۸ء کو شاہی باغ میں جلسہ منعقد کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔

جواب: ڈپٹی کمشنر پشاور نے ٹیلی فون پر مجھے بتایا ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے منتظمین نے چوک یادگار میں جلسہ کرنے کی اجازت کے لیے درخواست دی تھی لیکن ڈپٹی کمشنر نے انہیں زبانی بتایا تھا کہ چوک یادگار کو آراستہ کیا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو نے شاہی باغ میں جلسے کے لیے لاوڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت حاصل

کرنے کے لیے کمشنر کو فون کیا تھا۔ انہیں کہا گیا تھا کہ وہ ڈپٹی کمشنر سے بات کریں۔ بعد ازاں ڈپٹی کمشنر نے اس بات کی اجازت دے دی تھی جب انہیں اس سلسلے میں ایک درخواست پیش کی گئی تھی۔

سوال:۔ مسٹر بھٹو نے کن مقامات پر دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی؟

جواب:۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں۔

عدالت نے سوال کیا کہ کیا مسٹر بھٹو نے کسی اور جگہ پر بھی دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی تھی یا کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُن کی طرف سے اس قسم کی خلاف ورزیاں نظر بندی کی وجوہ میں شامل ہیں۔

جواب:۔ نہیں۔

سوال:۔ صوبائی وزیر مال غلام سرور خاں کب ڈیرہ اسماعیل خاں گئے تھے۔

جواب:۔ میں نے اُن کے دورے کا پروگرام دیکھا ہے۔ انہیں ۳۱ اکتوبر کو ڈیرہ اسماعیل خاں پہنچنا تھا اور دو نومبر ۱۹۶۸ء تک وہاں قیام کرنا تھا۔ پھر انہیں ٹونک روانہ ہونا تھا۔

سوال:۔ دفعہ ۱۴۴ کے تحت جلوس نکالنے کی ممانعت تھی اس کے باوجود خاں غلام سرور خاں نے اس پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۳۱ اکتوبر اور ۲ نومبر کو جلوسوں کا اہتمام کیا۔

جواب:۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ نے سرکاری پریس ریلیز کے بارے میں معلوم کیا ہے؟

جواب:۔ میں نے سیکرٹری اطلاعات سے پوچھا ہے۔ یہ پریس ریلیز اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفرمیشن ڈیرہ اسماعیل خان نے جاری کی تھی۔

مسٹر قصوری نے خان غلام سرور خاں کی طرف سے دفعہ ۱۴۴ کی پابندیوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک جلوس نکلوانے کے سلسلے میں نوائے وقت کی ایک خبر کا حوالہ دیا اور ہوم سیکرٹری سے ایک سوال پوچھنا چاہا لیکن عدالت نے کہا کہ یہ سرکاری موقف نہیں ہے۔ مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے کہا کہ اگر یہ پاکستان ٹائمز کی رپورٹ ہوتی تو وہ اسے سرکاری موقف سمجھ لیتے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستان آنے کے بعد سے وہ پاکستان ٹائمز پڑھتے رہے ہیں۔ لیکن اب وہ نوائے وقت بھی پڑھتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو صحیح صورتِ حال سے باخبر رکھ سکیں۔

سوال:۔ کیا آپ نے ۱۱ نومبر کو ساڑھے آٹھ بجے سے کسی وقت پہلے اپنا نوٹ لکھوانا شروع کیا تھا؟

جواب:۔ میں نے اپنا نوٹ صبح آٹھ بجے لکھوانا شروع کیا تھا اور ساڑھے دس بجے تک لکھواتا رہا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے میں نے کیس نہیں دیکھا تھا۔

سوال:۔ آپ کو احساس تھا کہ نوٹ "اَپ ٹو ڈیٹ" اور واقعاتی اعتبار سے ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسے ۱۱ نومبر کو ڈیڑھ بجے سہ پہر تک آخری شکل دی۔

جواب:۔ میں قدرتی طور پر یہ چاہتا تھا کہ میرا نوٹ اَپ ٹو ڈیٹ ہو۔

سوال:۔ آپ نے ۲۹ افراد کو نظر بند کرنے کی سفارش کی لیکن صرف ۱۴ افراد کے نظر بندی کے احکام جاری ہوئے۔

جواب:۔ میں نے تمام ۱۲۹ افراد کی نظر بندی کی سفارش کی تھی۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے تھے کہ اُس وقت مسٹر مسعود نورانی، مسٹر جام ساقی اور مسٹر یوسف تالپور پہلے سے گرفتار کر کے نظر بند کیے جا چکے تھے۔

جواب:۔ میں یہ جانتا تھا لیکن میں نے سفارش کی تھی کہ انہیں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند کیا جائے تاکہ اگر وہ چھوڑ دیئے جائیں یا مقامی ڈپٹی کمشنر کے جاری کردہ نظر بندی کے حکم کی میعاد پوری کر کے باہر آجائیں تو اُن کے خلاف ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت کاروائی کی جا سکے کیونکہ میں امن و امان کے مفاد کے پیش نظر اُن کی نظر بندی کا خواہش مند تھا۔ گورنر نے اُن کے نام نظر بندی کے حکم میں شامل نہیں کیے غالباً اس لیے کہ یہ لوگ پہلے ہی نظر بند تھے۔

سوال:۔ آپ نے اپنی رپورٹ میں کراچی کے معراج محمد خاں کا بھی ذکر کیا ہے حالانکہ وہ بھی اس وقت نظر بند تھے۔

جواب:۔ اس سلسلے میں میرا جواب وہی ہے جو میں نے پہلے سوال کے جواب میں دیا ہے۔

سوال:۔ کسی شخص کو تحفظ امن عامہ کے حکم یا ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا گیا ہو تو کیا ڈپٹی کمشنر اس سلسلے میں گورنر کو رپورٹ بھیجتے ہیں؟

جواب:۔ وہ گورنر کو ضرور رپورٹ بھیجتے ہیں لیکن اس وقت میں یہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ متعلقہ افراد کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت یا تحفظ امن عامہ کے قانون کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔

سوال:۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ ان دونوں قوانین کے تحت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو اختیارات تفویض کر دیئے گئے ہیں۔

جواب:۔ دونوں صورتوں میں انہیں گورنر کو رپورٹ کرنی ہوتی ہے۔

سوال:۔ مسٹر بھٹو کی نظر بندی کی وجوہ میں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ لوگوں بالخصوص طلبا کو بھڑکاتے رہے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان میں طلبا کا ایجی ٹیشن ۱۹۵۲ء میں شروع ہوا تھا جب ڈھاکہ میں دو طلبا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اُن دنوں مسٹر نور الامین مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ تھے۔

اس مرحلے پر عدالت نے کہا کہ حکومت مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری سے مغربی پاکستان کے بارے میں سوال پوچھا جائے۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ۱۹۶۳ء میں طلباء نے لاہور میں جلوس نکالا اور اُن میں سے ۲۲ کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

جواب یہ بات میرے ذاتی علم میں نہیں ہے۔

ہوم سیکرٹری نے عدالت کے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ انہوں نے ہوم سیکرٹری کا عہدہ فروری ۱۹۶۶ء میں سنبھالا تھا۔

سوال :۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ مارچ ۱۹۶۷ء میں حیدر آباد میں طلباء کے شدید ہنگامے ہوئے تھے اور حکومت کے بیان کے مطابق جنرل پوسٹ آفس اور ریڈیو پاکستان پر حملہ کیا گیا تھا۔

جواب :۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مارچ ۱۹۶۷ء میں یہ واقعات ہوئے تھے۔

سوال :۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ جنرل پوسٹ آفس اور ریڈیو پاکستان پر حملہ کیا گیا تھا؟

جواب :۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

سوال :۔ کیا میں آپ کو ۱۴، مارچ ۱۹۶۷ء کا پریس نوٹ یاد دلا سکتا ہوں؟ مسٹر قصوری نے مذکورہ تاریخ کا پریس نوٹ پاکستان ٹائمز سے پڑھ کر سنایا۔ عدالت نے مسٹر قصوری سے کہا کہ وہ ۱۵ / ۲ ستمبر ۱۹۶۸ تک طلبا سے متعلق واقعات کی تاریخیں ہوم سیکرٹری کو دے دیں۔

ہوم سیکرٹری کی درخواست پر مسٹر قصوری انہیں پاکستان ٹائمز کے مختلف تاریخوں کے پرچے مستعار دینے پر رضامند ہو گئے جن کے سلسلے میں اُن سے سوالات پوچھے جانے تھے۔

سوال :۔ آپ نے ۲۱ ستمبر کو حیدر آباد میں مسٹر بھٹو کی تقریر کا ذکر کیا ہے اگر اس روز حیدر آباد میں کوئی نقصانات ہوئے تھے تو آپ نے اُن کی تفصیل نہیں دی۔ اگر آپ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے متعلق چارٹ دیکھیں جو آپ نے آج پیش کیا ہے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اُس تاریخ کو حیدر آباد میں دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں تھی اس کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی کا اجلاس بند کمرے میں ہوا۔

جواب :۔ جیسا کہ ڈائری میں رپورٹ کیا گیا ہے یہ پاکستان پیپلز پارٹی سندھ زون کی پرائیویٹ کنونشن تھی۔ جو میر رسول بخش تالپور کے باغ کے احاطے میں منعقد ہوئی تھی کنونشن میں شرکت بذریعہ پاس تھی اور اس میں ۲ ہزار افراد شریک ہوئے تھے۔

سوال :۔ اس جلسے میں مسٹر بھٹو نے آئندہ صدارتی انتخابات لڑنے کے ارادے کا اظہار کیا تھا۔

جواب :۔ ہاں

سوال :۔ آپ نے اس سے پہلے ایک مقدمے میں ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ جلسے کے وقت انتخابات کے پروگرام کا اعلان کیا جا چکا تھا، انتخابی فہرستیں تیار کی جا رہی تھیں اور انتخابی حلقوں کی حد بندی زور شور سے جاری تھی۔

جواب :۔ میں نے کہا تھا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ انتخابات کے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا ہے، انتخابی حلقوں کی حد بندی کا کام جاری ہے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یکم دسمبر کو صدر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ صدر کے عہدے اور دوسرے عہدوں کے لیے انتخابات مقررہ وقت پر ہوں گے۔

سوال :۔ ۲۵، اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کوہاٹ میں مسٹر بھٹو کی تقریروں کی رپورٹ کس نے تیار کی تھی۔

جواب :۔ یہ رپورٹ سپیشل برانچ کے اے ایس آئی نے تیار کی تھی

سوال :۔ کیا آپ اس کا نام جانتے ہیں؟

جواب :۔ نہیں۔

سوال :۔ اس تقریر پر آپ نے محض یہ اعتراض کیا ہے کہ مسٹر بھٹو نے صدر ایوب سے کہا تھا کہ وہ اُن کے حق میں حکومت چھوڑ دیں۔

جواب :۔ قابلِ اعتراض چیز اُن کا انداز اور طریق تھا جس سے وہ اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

اس مرحلے پر عدالت کا وقت ختم ہو گیا اور سماعت اگلے روز پر ملتوی ہو گئی۔

۱۴، جنوری

بورسٹل جیل میں صبح آٹھ بجے مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ کمرۂ عدالت میں مسٹر بھٹو کے دائیں بائیں محمد حنیف رامے اور میر علی احمد تالپور بیٹھے تھے مسز نصرت بھٹو، مسز مبشر حسن، مسٹر جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر حسن، مسٹر مصطفیٰ کھر، مسٹر ممتاز علی بھٹو اور ملک غلام جیلانی بھی تشریف رکھتے تھے۔

میاں محمود علی قصوری نے ہوم سیکرٹری پر جرح جاری رکھتے ہوئے سوال کیا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ لاہور سے شائع ہونے والے اخبارات پاکستان ٹائمز، امروز اور مشرق نیشنل پریس ٹرسٹ کے کنٹرول میں ہیں۔

جواب :۔ ہاں۔

سوال :۔ کیا آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کوہستان پاکستان مسلم لیگ کے کنٹرول میں چل رہا ہے۔

جواب :۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

سوال :۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ نوائے وقت ایک آزاد اخبار ہے۔

جواب :۔ ہاں یہ آزاد اخبار سمجھا جاتا ہے۔

سوال :۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اپوزیشن پارٹیوں کی سرگرمیوں کے متعلق تفصیلی خبریں نوائے وقت میں شائع ہوتی ہیں۔

جواب :۔ نوائے وقت مقابلتہً زیادہ تفصیلات دیتا ہے۔

سوال :۔ کیا آپ نوائے وقت پڑھتے ہیں؟

جواب :۔ میں دوسرے پرچوں کے ساتھ نوائے وقت بھی پڑھتا ہوں۔

سوال :۔ براہِ کرم ۳۰، اکتوبر کے شمارے کی سرخی ملاحظہ کیجئے۔

جواب :۔ میں ۳۰، اکتوبر ۱۹۶۸ء کا نوائے وقت کا شمارہ دیکھ رہا ہوں۔ سرخی میں کہا گیا ہے۔ اپوزیشن آئینی ذرائع سے حکومت تبدیل کرنا چاہتی ہے۔

سوال :۔ کیا اس میں مسٹر بھٹو کی تقریر شائع کی گئی ہے؟

جواب :۔ اس خبر کی ڈیٹ لائن حیدر آباد ہے۔ اور اس میں مسٹر بھٹو کی تقریر شائع کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق مسٹر بھٹو نے کہا :۔ جب تک آئینی جدوجہد سے موجودہ حکمران طبقے کو تبدیل نہیں کر دیا جاتا میں اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا۔ رپورٹ میں



ھائی کورٹ کے صحن میں لاھور کے عوام رٹ پٹیشن داخل کرنے کے دن

مزید کہا گیا ہے :۔ مسٹر بھٹو نے کہا ہم یہ عہد کر کے میدان سیاست میں آئے ہیں کہ برسر اقتدار طبقے کے خلاف آئینی طریقے سے جدوجہد جاری رکھیں گے۔ انشاء اللہ! انہیں کرسیاں خالی کرنی ہوں گی۔" ہوم سیکرٹری نے کہا، میں اس خبر کے مندرجہ ذیل حصے کا بھی تذکرہ کروں گا

"کارخانہ داروں کو عوام کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے اور مزدوروں کا خون چوسنے کی کھلی چھٹی ہے، گندم کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں، چینی نایاب ہے۔"

سوال :۔ اس وقت کی خراب صورتِ حال کے سیاق و سباق میں براہِ کرم ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۸ء کے نوائے وقت کے شمارے کو ملاحظہ کیجئے اس میں ۲۸ اکتوبر کی ڈیٹ لائن سے مسٹر بھٹو کی ایک تقریر کی رپورٹ شائع کی گئی ہے۔

جواب :۔ میں نے اس خبر کے وہ حصے دیکھے ہیں جن کا مسٹر قصوری نے ذکر کیا ہے۔ اور اُن کی خواہش کے مطابق میں خاص طور پر مندرجہ ذیل حصے کا حوالہ دیتا ہوں: سابق وزیر خارجہ نے یونیورسٹی آرڈیننس اور اعلان تاشقند کے خلاف مظاہروں اور پولیس فائرنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان مظاہروں کے دوران جو لوگ شہید ہوئے ہیں اُن کی یادگاریں تعمیر کی جائیں گی۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ ہم آئینی ذرائع سے آمریت کو ختم کرنے اور ملک میں جمہوریت کاملہ کی بحالی کے لیے عام انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔"

اس مرحلے پر مسٹر قصوری نے کہا کہ قانون یہ ہے کہ ہمیں تقریر کے عام رویے کو دیکھنا ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ نوائے وقت میں چھپی ہوئی خبر جسے لاکھوں افراد نے پڑھا تھا اہمیت رکھتی ہے جبکہ پولیس کے کسی ملازم نے جلسے کے باہر سے جو رپورٹ نوٹ کی ہے وہ اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ انہوں نے کہا کہ مذکورہ تقریر مسٹر بھٹو نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ اُن کا موقف یہ ہے کہ حکومت کو آئینی طریقوں سے تبدیل کیا جائے۔

عدالت نے کہا کہ یہ کہنا آپ کے لیے نقصان دہ ہوگا کہ "مقرر اس بات کا ذمہ دار نہیں ہے جو اس نے کہی ہے بلکہ اس کا ذمہ دار ہے جو دوسری ایجنسیوں نے رپورٹ کی ہے"۔ عدالت نے مزید کہا کہ اگر اخبار کی رپورٹ کو مدِ نظر رکھنا ہے تو دوسرے اخباروں کے پڑھنے والوں کی تعداد اکیلے "نوائے وقت" سے کہیں زیادہ ہوگی۔

اس مرحلے پر مسٹر قصوری نے کہا کہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں شائع ہونے والی مسٹر بھٹو کی کسی رپورٹ میں یہ نہیں کہا گیا کہ مسٹر بھٹو نے حکومت کو غیر آئینی طریقوں سے بدلنے کے لیے کہا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ رپورٹروں کو گواہ کے طور پر پیش کر سکتے ہیں لیکن عدالت نے انہیں متوجہ کیا کہ انہوں نے اُن پولیس والوں کو گواہ کے طور پر نہیں بلایا جنہوں نے مسٹر بھٹو کی تقریر کی رپورٹ بھیجی تھی۔ عدالت نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے بعض تقریروں میں عوام کو نہ بھڑکایا ہو لیکن بعض دوسری تقریروں میں وہ ایسا کر سکتا ہے۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ قانون کا عام اصول یہ ہے کہ انفرادی واقعات کو انسدادی اقدامات کی بنیاد نہیں بنایا جاتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ مسٹر بھٹو کی تقریروں کے متن سے یہ ظاہر ہونا چاہیئے کہ وہ اشتعال دلانے کا باعث بنیں۔

بعدازاں مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے سوال کیا: براہ کرم ۵، مارچ ۱۹۶۷ء کے پاکستان ٹائمز کی رپورٹ ملاحظہ کیجئے۔

جواب :۔ میرے سامنے جو فائل ہے اس کے چودہ ورق ہیں جن پر پاکستان ٹائمز کے مختلف شماروں سے لیے گئے تراشے چسپاں ہیں۔ یہ تراشے سندھ یونیورسٹی کے طلبا اور حیدر آباد کے طلبا کے متعلق ہیں۔ ایک تراشے میں ساٹھ روز بند رہنے کے بعد سندھ یونیورسٹی کے دوبارہ کھلنے کا ذکر ہے۔ ایک تراشہ جون ۱۹۶۷ء میں حیدر آباد میں طلبا کے ایک واقعہ سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۹۶۷ء میں پشاور میں طلبا اور پولیس کے درمیان تصادم، جون ۱۹۶۷ء میں لاہور میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف طلبا کے ایک جلوس، جامعہ اسلامیہ بہاول پور کے طلبا کی ہڑتال، نومبر ۱۹۶۷ء میں ایم اے او کالج لاہور کے طلباء کے ہنگامے، ہڑتال کے سبب گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد کے بند ہونے، فروری ۱۹۶۸ء میں لاہور میں امریکی دفتر اطلاعات کے سامنے مظاہرے، مارچ ۱۹۶۸ء میں لائل پور میں پانچ طلبا کی گرفتاری اور مئی ۱۹۶۸ء میں کوئٹہ میں طلباء کے تصادم کی خبروں کے تراشے بھی فائل میں موجود ہیں۔

اس مرحلے پر عدالت نے مسٹر قصوری کو بتایا کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلبا ایک ایسا طبقہ ہیں جو فوراً اثر لیتے ہیں۔ آپ غالباً یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ طلبا میں ویسے ہی بے چینی پائی جاتی ہے اور مسٹر بھٹو کی کسی تقریر نے جلتی پر تیل نہیں ڈالا۔ عدالت نے کہا کہ جب کسی طبقے میں پہلے ہی بے چینی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ معمولی سی اشتعال انگیزی بھی خطرناک ثابت ہوگی۔

سوال:۔ آپ نے ۲ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو شائع ہونے والی صدر صاحب کی تقریر پڑھی اور سنی ہوگی۔

جواب:۔ ہاں

سوال:۔ تقریر کا بیشتر حصّہ طلبا کے معاملات سے متعلق تھا۔

جواب:۔ اس کا ایک حصّہ طلبا کے بارے میں ہے۔

سوال:۔ پاکستان پیپلز پارٹی کب قائم ہوئی تھی؟

جواب:۔ دسمبر ۱۹۶۷ء میں

سوال:۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ سی آئی ڈی حیدر آباد نے ۲۵ر ستمبر ۱۹۶۸ء کو حکومت کی ہدایت پر بھٹو صاحب کو طلب کیا تھا اور تحفظ امن عامہ آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے تحت جاری کیے گئے ایک حکم کے تحت پوچھ گچھ کی تھی۔

جواب:۔ میں نہیں جانتا

سوال:۔ کیا آپ سے مشورہ کیا گیا تھا؟

جواب نہیں۔

سوال:۔ پاکستان پریس انٹرنیشنل کی ایک خبر کے مطابق صوبائی وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے ۳ر مارچ ۱۹۶۸ء کو کہا تھا کہ بھٹو صاحب کو ڈیفنس آف رولز کے تحت نظر بند کیا جائے گا۔

جواب:۔ میرے سامنے تین اکتوبر ۱۹۶۸ء کا پاکستان ٹائمز ہے جس میں دوسری باتوں کے مسودہ پر بھی درج ہے کہ وزیر داخلہ نے بھٹو صاحب کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند کرنے کے امکان کا بھی ذکر کیا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ پاکستان پریس انٹرنیشنل ایک ایسا ادارہ ہے جسے حکومت کی طرف سے مالی امداد ملتی ہے۔

جواب:۔ مجھے معلوم نہیں کہ اسے حکومت مالی امداد دیتی ہے۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ قاضی فضل اللہ نے کبھی اس رپورٹ کی تردید کی تھی یا نہیں؟

جواب:۔ اگر انہوں نے تردید کی بھی ہو تو میرے علم میں نہیں ہے۔

اس مرحلے پر قصوری صاحب نے بتایا کہ حکومت نے بعد اس خبر کے سلسلے میں ایک تردیدی بیان جاری کیا تھا۔

اس پر عدالت نے مندرجہ ذیل بات ریکارڈ کرا دی کہ

"مسٹر قصوری کہتے ہیں کہ وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے اس خبر کی کوئی تردید نہیں کی تھی لیکن کچھ عرصے بعد سرکاری طور پر ایک تردیدی بیان جاری کیا گیا تھا۔ یہ تردید مسٹر بھٹو کو نظر بند کرنے کی دھمکیوں کے خلاف احتجاج کے بعد کی گئی تھی۔"

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب اور حکومت کے درمیان خاصی مقدمہ بازی ہو رہی ہے۔ پہلا مقدمہ اسلحہ کے لائسنسوں کی تنسیخ، اور اسلحہ کے سلسلے میں اُن مراعات کو واپس لینے سے متعلق تھا۔ جو ہلال پاکستان کے اعزاز کے سبب مسٹر بھٹو کو حاصل تھیں۔

جواب:۔ لائسنسوں کی تنسیخ سے متعلق حکم غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ نے لاڑکانہ میں کینیڈی مارکیٹ کے بارے میں سنا ہے؟

جواب میں نے اس کا ذکر سُنا ہے۔

سوال:۔ یہ بھٹو صاحب کی طرف سے جمع کیے گئے فنڈ سے قائم کی گئی تھی۔ انہوں نے اس کے لیے ایک ٹرسٹ بھی بنایا تھا اور خود بھی ٹرسٹیوں میں شامل تھے۔

جواب:۔ مجھے علم نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب کو ٹریکٹروں کے مقدمے میں ملوث کیا گیا تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے خلاف یہ الزام کب عائد کیا گیا۔

جواب:۔ میرا خیال ہے کہ اُن پر اپنی سرکاری حیثیت کے ناجائز استعمال اور محکمہ زراعت سے ایسی مراعات لینے کا الزام تھا جو انہیں نہیں مل سکتی تھیں۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے علاوہ تیس دوسرے افراد ٹریکٹر کیس میں ملوث ہیں۔

جواب:۔ میں نہیں جانتا۔

سوال:۔ اس مقدمے کی تفتیش کس نے کی تھی۔

جواب:۔ یہ کام پولیس کی سپیشل برانچ نے انجام دیا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے اس سلسلے میں ابتدائی رپورٹ کب درج کرائی گئی تھی۔ کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جن افراد پر الزام لگایا گیا اُن میں بھٹو صاحب کے بہت سے ملازم شامل ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے ضمانت پر رہا کیا گیا تھا۔ اور تفتیشی افسر مسٹر غلام صدیق قادری ڈی ایس پی تھے جنہیں بعد میں پولیس میڈل دیا گیا۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ پولیس بھٹو صاحب کے خلاف ایک اور مقدمے کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے۔ یہ مقدمہ چاول کی نوڈیرو سے راولپنڈی نقل وحمل سے متعلق ہے۔

جواب:۔ میں نے ایک اخبار میں خبر پڑھی تھی۔

اس مرحلے پر قصوری صاحب نے کہا کہ مسٹر حفیظ پیرزادہ جو اس مقدمے میں اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ بھٹو صاحب کے خلاف دوسرے مقدمات کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے انہیں اس سلسلے میں ہوم سیکرٹری سے سوال کرنے کی اجازت دی جائے۔ عدالت نے یہ درخواست منظور کر لی۔

مسٹر حفیظ پیرزادہ نے ہوم سیکرٹری پر جرح شروع کی۔

سوال:۔ بھٹو صاحب کی اراضی کے سلسلے میں بھی ایک مقدمہ ہے کیا آپ

جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب مارشل لاء ریگولیشن کے تحت اراضی کے بڑے حصے سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اس کی مارشل لاء کے حکام نے باقاعدہ طور پر جانچ پڑتال کی تھی۔

جواب:۔ انہوں نے یقیناً زرعی اصلاحات کے قانون کے تحت اپنی اراضی دی ہوگی۔

سوال:۔ اس وقت آپ ڈپٹی کمشنر جیکب آباد تھے۔

جواب:۔ ہاں۔

سوال:۔ بھٹو صاحب کی گڑھی خیرو میں تقریباً ۳۵ تا ۴۰ ہزار ایکڑ اراضی تھی اور انہوں نے زرعی اصلاحات کے قانون کے تحت اراضی حکومت کو دی تھی۔ کیا آپ نے بھٹو صاحب کی طرف سے دی جانے والی اراضی کے سلسلے میں ایل سی ایک اور ایل سی دو فارموں کی جانچ پڑتال کی تھی؟

جواب:۔ میں نے بھٹو صاحب سے معلوم کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ضلع جیکب آباد میں اُن کی زمین تھی۔ میں نے یقینی طور پر اُن کے فارموں کی جانچ پڑتال کی ہوگی۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب کو اسی قدر اراضی رکھنے کی اجازت دی گئی جتنی قانون کے مطابق تھی اور جو اُن کی ملکیت تھی۔

جواب:۔ اس بات کو دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے انہیں اسی قدر اراضی رکھنے کی اجازت دی ہوگی جتنی قانون کے تحت اُن کی ملکیت بنتی تھی۔

اسی مرحلے پر مسٹر پیرزادہ نے درخواست کی کہ اس کیس کے سلسلے میں ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی کمشنر جیکب آباد سے ریکارڈ طلب کیا جائے۔ عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل کو ہدایت کی کہ وہ ریکارڈ طلب کرلیں اور اگر انہیں کوئی مشکل محسوس ہو تو عدالت کو آگاہ کریں۔

مسٹر محمود علی قصوری نے دوبارہ جرح شروع کی۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب کی ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظربندی کے بعد لاڑکانہ میں ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۰۷ کے تحت ایک ایف آئی آر اور درج کرائی گئی ہے جس میں مسٹر بھٹو کو ملوث کیا گیا ہے۔

جواب:۔ یہ بات میرے علم میں نہیں ہے۔

سوال:۔ میں کہتا ہوں کہ حکومت سے مستعفی ہونے کے بعد جب سے بھٹو صاحب نے حکومت کے خلاف عوام سے خطاب کرنا شروع کیا ہے حکومت انکے خون کی پیاسی ہو گئی ہے۔

جواب:۔ مجھے اس بات سے اتفاق نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب کے خلاف متعدد فوجداری مقدمات قائم کیے گئے ہیں۔

جواب:۔ میں نہیں جانتا۔

سوال:۔ کیا آپ کو کچھ مقدمات کے بارے میں علم ہے۔

جواب:۔ ہاں! مثال کے طور پر ٹریکٹروں والا مقدمہ

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جون ۱۹۶۷ء میں بھٹو صاحب نے گول باغ لاہور میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا تھا۔

جواب:۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مسٹر بھٹو نے اس قسم کے جلسے کا اہتمام کیا تھا

سوال:۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق یہ مادرِ ملت کے جلسے کے بعد جس سے انہوں نے صدارتی انتخاب کے دوران خطاب کیا تھا لاہور میں سب سے بڑا جلسہ تھا۔

جواب:۔ میں اس جلسے میں شریک افراد کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سوال:۔ کیا یہ جلسہ درہم برہم کر دیا گیا تھا؟

جواب:۔ جلسے میں گڑبڑ ہوئی تھی۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جلسے میں بجلی کے تار کاٹ دیئے گئے تھے

جواب:۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ جلسہ ہنگامے میں ختم ہو گیا تھا۔

جواب:۔ وہاں گڑبڑ ہوئی تھی۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جلسے میں ایک اینٹ پھینکی گئی تھی جو مسٹر بھٹو کے سر پر لگی تھی جس سے اُن کی پیشانی زخمی ہو گئی تھی۔

جواب:۔ مجھے علم نہیں

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ گڑبڑ پاکستان مسلم لیگ نے کرائی تھی۔

جواب:۔ مجھے علم نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ گراؤنڈ میں پانی چھوڑ دیا گیا تھا۔

جواب:۔ مجھے علم نہیں۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جب بھٹو صاحب حکومت میں تھے تو اُن کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں تھا۔

جواب:۔ مجھے علم نہیں

سوال:۔ میں کہتا ہوں کہ بھٹو صاحب کی نظربندی کا حکم اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا مقصد بھٹو صاحب کو آزادی سے محروم کرنا اور لوگوں تک پہنچنے سے روکنا ہے۔

جواب:۔ میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ دو ماہ کے دوران پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد گرفتار کئے گئے ہیں اور ان میں سے کسی سزا نہیں ہوئی۔

جواب:۔ مجھے اس کا علم نہیں۔

سوال:۔ آپ جانتے ہیں کہ حیدرآباد میں پاکستان پیپلز پارٹی سندھ زون

لی کنونشن میں مسٹر بھٹو کی تقریر کے بعد گورنر حیدرآباد گئے تھے اور دس یا گیارہ اکتوبر کو دربار ہال میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا تھا۔

جواب:۔ گورنر ۱ اکتوبر میں حیدرآباد گئے تھے۔

قصوری صاحب نے گورنر کی تقریر کا مکمل متن ہوم سیکرٹری کے سامنے پیش کیا جو پاکستان مسلم لیگ نے شائع کیا تھا۔ ہوم سیکرٹری نے بتایا کہ گورنر کی پاکستان ٹائمز میں شائع شدہ تقریر ان کے پاس موجود ہے۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ مسٹر بھٹو نے گورنر کی تقریر کا جواب دیا تھا۔

جواب:۔ ہاں انہوں نے جواب دیا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ نے ۱۱ر نومبر ۱۹۶۸ء کو اپنا نوٹ لکھنے سے پہلے کسی وقت بھٹو صاحب کا جواب پڑھا تھا۔

مسٹر قصوری نے بھٹو صاحب کے جوابی بیان کی ایک نقل ہوم سیکرٹری کو پیش کی اور سوال کیا۔ اس دستاویز کو ملاحظہ کیجئے اور بتائیے کہ جب آپ نے نوٹ لکھا، کیا اس وقت یہ جواب آپ کے سامنے تھا۔

جواب:۔ نوائے وقت نے ۲۷ر اکتوبر، ۳۰ر اکتوبر اور ۳۱ر اکتوبر کے شماروں میں بھٹو صاحب کے جواب کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ بھٹو صاحب نے جنوری ۱۹۶۸ء میں قاسم باغ ملتان میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا جس میں بہت سے لوگوں نے تلواریں اور لاٹھیاں لہرائی تھیں۔

جواب:۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ملتان میں ایک جلسے کے بارے میں خبریں پڑھی تھیں جس سے مسٹر بھٹو نے خطاب کیا لیکن میں اس کی تفصیلات نہیں جانتا۔

سوال:۔ کیا لاٹھیوں اور تلواروں سے مسلح آدمیوں نے اس جلسے کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی تھی؟

جواب:۔ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ اس جلسے میں گڑبڑ ہوئی تھی لیکن میں اس کی نوعیت کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

سوال:۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گڑبڑ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کرائی گئی تھی۔

جواب:۔ میں نہیں جانتا۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس تصادم میں ایک آدمی مارا گیا تھا۔

جواب:۔ معلوم نہیں ہے۔

اس مرحلے پر عدالت نے کارروائی اگلے روز تک کے لیے ملتوی کر دی

۱۵ر جنوری

بھٹو صاحب کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت کے پانچویں روز صوبائی ہوم سیکرٹری مسٹر مسعود نبی نور پر جرح مکمل ہوگئی۔ مسٹر بھٹو اور ان کے اہل وعیال کے علاوہ ایئر مارشل اصغر خاں اور آغا شورش کاشمیری بھی عدالت میں موجود تھے۔

عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل مغربی پاکستان سے کہا کہ وہ آئندہ سماعت پر بھٹو صاحب کے اراضی کے مقدمے کی فائل عدالت میں پیش کریں۔ اس کے علاوہ عدالت نے صوبائی ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ لاڑکانہ سٹی پولیس سٹیشن میں بھٹو صاحب کے خلاف ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۰۷ کے تحت درج کیے گئے مقدمے کی ابتدائی رپورٹ حاصل کریں۔

عدالت نے ہوم سیکرٹری سے یہ بھی کہا کہ وہ محکمہ اطلاعات سے پوچھیں کہ آیا ۱۰ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں گورنر کی تقریر کا ہینڈ آوٹ جاری کیا گیا تھا اگر ایسا کیا گیا ہو تو آئندہ سماعت پر اس ہینڈ آوٹ کی ایک نقل بھی لائیں۔

ہوم سیکرٹری سے یہ بھی کہا گیا کہ بھٹو صاحب کے خلاف چاول کے مقدمے کے متعلق معلومات حاصل کریں جس کے بارے میں اخبارات میں وزیر داخلہ کا بیان شائع ہوا تھا۔

ہوم سیکرٹری نے لاڑکانہ کے ڈپٹی ایس پی مسٹر غلام صدیق قادری کو دیئے گئے پاکستان پولیس میڈل کی عبارت بھی عدالت میں پیش کی۔ بھٹو صاحب کے خلاف ٹریکٹروں کے مقدمے کی تفتیش مسٹر قادری نے کی تھی۔

میاں محمود علی قصوری نے ہوم سیکرٹری پر جرح شروع کی۔

سوال:۔ کوہاٹ کی تقریر کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ بھٹو صاحب چاہتے تھے کہ حکومت اُن کے حق میں دستبردار ہو جائے۔ بھٹو صاحب نے کبھی ایسی بات نہیں کی۔ براہِ کرم مذکورہ تقریر کی رپورٹ ملاحظہ کیجئے اور عدالت کو بتائیے کہ اس سلسلے میں آپ تقریر کے کس حصے پر انحصار کر رہے ہیں۔

جواب:۔ میں خاص طور پر مندرجہ فقرے کا حوالہ دے رہا ہوں۔ ”اگر آپ نہیں چھوڑیں گے تو ہم زور سے چھڑائیں گے“۔ یہ فقرہ بھی دیکھئے ”میرے پاس پستول نہیں ہے ہم اپنے بھائیوں مزدوروں، طلبا اور کسانوں سے کام لیں گے“۔

سوال:۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ مسٹر بھٹو نے اب تک کراچی میں کوئی تقریر نہیں کی۔

جواب:۔ میں اس بات کی تصدیق یا تردید نہیں کر سکتا۔

سوال:۔ مختلف مقامات پر املاک کے نقصان کے سلسلے میں چارٹ پر نظر ڈالیے اور عدالت کو بتائیے کہ آیا اس میں کسی ایسے واقعے کا ذکر ہے جو بھٹو صاحب کے دورہ شروع کرنے کی تاریخ یعنی ۲۵ر اکتوبر اور سات نومبر کے درمیان ہوا ہو، جب راولپنڈی میں گولی چلنے کا واقعہ ہوا تھا۔

عدالت نے مسٹر قصوری سے پوچھا کہ سوال کس طرح مقدمے سے متعلق ہے مسٹر قصوری نے کہا کہ ۲۵ر اکتوبر اور سات نومبر کے درمیان۔ چارٹ میں صرف اُن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے جو ڈیرہ اسماعیل خاں، خیرپور اور کیمبل پور میں رونما

ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ مسٹر بھٹو نے نہ تو خیرپور اور کیمبل پور کا دورہ کیا اور نہ وہاں تقریریں کیں۔ ڈیرہ اسماعیل خاں میں املاک کے نقصان سے متعلق رپورٹ میں بھی جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ بھٹو صاحب کے ڈیرہ اسماعیل خاں کے دورے سے قبل ہوئے تھے۔

پھر مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے سوال کیا

کیا یہ حقیقت نہیں کہ بھٹو صاحب نے خیرپور یا کیمبل پور میں کبھی تقریر نہیں کی

جواب :۔ میں ریکارڈ دیکھے بغیر یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

سوال :۔ میں کہتا ہوں کہ طلبا کے ہنگاموں کا بھٹو صاحب سے بالکل کوئی تعلق نہیں تھا پھر کیا آپ یہ تمام نقصان طلباء سے منسوب کرتے ہیں یا اُن لوگوں سے جنہیں آپ سماج دشمن عناصر کہتے ہیں۔

جواب :۔ دستاویزات میں جن نقصانات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کا ایک بہت بڑا حصّہ طلبا سے متعلق ہے۔

سوال :۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ ان میں سے کون سے نقصانات طلبا سے منسوب کرتے ہیں اور کون سے سماج دشمن عناصر سے۔

جواب :۔ میں تحقیق کروں گا۔

اس مرحلے پر عدالت نے کہا کہ ہوم سیکرٹری کے لیے اس سلسلے میں امتیاز کرنا ممکن نہیں، خصوصاً جب وہ عدالت کے سامنے بیان دے رہے اور انہوں نے حلف اٹھا رکھا ہے۔

مسٹر قصوری نے کہا کہ صرف راولپنڈی اور ڈیرہ اسماعیل خان کے واقعات ایسے ہیں جو بھٹو صاحب کے دورے سے مطابقت رکھتے ہیں جبکہ دوسرے بیشتر واقعات کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سماج دشمن عناصر کا کام ہو گا جو پولیس کے زیرِ سایہ پھلتے پھولتے ہیں۔

عدالت نے مسٹر قصوری سے کہا کہ وہ اس بات کو بھٹو صاحب کے حلفیہ بیان میں شامل کر سکتے ہیں جو انہیں پیش کرنا ہے۔

ہوم سیکرٹری نے اپنے جواب میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ اُن کی یہ بات کہ دستاویز میں املاک کے جس نقصان کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا بڑا حصّہ طالب علموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اُن کے عام تاثر پر مبنی ہے جو انہوں نے قائم کیا ہے۔

سوال :۔ گورنر کے نام اپنے نوٹ میں آپ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ طلباء نے ایک طبقے کے طور پر بغاوت کر دی ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ طلبا نے جو تحریک شروع کی تھی سماج دشمن عناصر نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ آتشزنی، لوٹ مار، املاک کے نقصان اور پولیس پر حملوں میں مصروف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ املاک کو طلبا نے نہیں سماج دشمن عناصر نے تباہ کیا۔

عدالت نے یہ سوال مسترد کر دیا۔ عدالت نے کہا کہ یہ معاملہ توضیح سے تعلق رکھتا ہے جو دلائل کے دوران آنا چاہیئے

سوال :۔ حکومت نے سات نومبر ۱۹۶۸ء کو راولپنڈی کے واقعے کے سلسلے میں ایک سرکاری پریس نوٹ جاری کیا تھا۔ یہ ہنگامہ سات نومبر کی صبح کو شروع ہوا جب طلبا ڈپٹی کمشنر سے ملنے گئے تھے تاکہ اپنے اس سامان کو واگزار کرا سکیں جو مبینہ طور پر لنڈی کوتل سے لایا گیا تھا اور کسٹم کے حکام نے ضبط کر لیا تھا

عدالت نے مسٹر قصوری سے کہا کہ وہ ہوم سیکرٹری کو اُن پریس نوٹوں اور ریلیزوں کے سلسلے میں ایک چارٹ دے دیں جنہیں وہ عدالت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ عدالت نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ ایسی تردیدیں بھی عدالت میں پیش کر سکتے ہیں جو اخبارات کی رپورٹوں کے سلسلے میں سرکاری طور پر کی گئی ہوں۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے سوال کیا

" یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ سات نومبر ۱۹۶۸ء کو پولیس فائرنگ سے راولپنڈی میں ایک طالب علم عبدالحمید ہلاک ہو گیا تھا کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ ۹ نومبر کو دو اور آدمی بھی راولپنڈی پولیس فائرنگ سے ہلاک ہوئے تھے ان میں سے ایک طالبعلم انیس احمد تھا اور دوسرا انٹیلیجینس کا ایک ملازم تھا جو اپنے بیمار باپ کے لیے کھانا لے کر ہسپتال جا رہا تھا۔

جواب :۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ راولپنڈی کی ایک رپورٹ میرے سامنے ہے جو ۹ نومبر ۱۹۶۸ء کو مجھے بھیجی گئی تھی اس میں کہا گیا ہے کہ پولیس نے ایک مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لیے گولی چلائی تھی جس کے نتیجے میں دو افراد موقع پر ہلاک ہو گئے اور چار زخمی ہو گئے۔

سوال :۔ کیا طالب علم انیس احمد انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا۔

جواب :۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

سوال :۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ راولپنڈی میں پولیس فائرنگ سے ہلاک ہونے والا دوسرا آدمی ڈائرکٹریٹ آف انٹیلیجینس کا ایک ملازم تھا۔

جواب :۔ مجھے علم نہیں۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے مسٹر بھٹو صاحب کے اسلحہ کے لائسنسوں کی معطلی کے فائل کے سلسلے میں پوچھا جو ابھی عدالت میں پیش نہیں کی گئی۔ عدالت نے ان فائلوں کو آئندہ سماعت پر پیش کرنے کی اجازت دے دی۔

سوال :۔ کیا آپ نے اسلحہ کے لائسنسوں کے سلسلے میں بھٹو صاحب کے حق میں جاری کیے گئے حکم امتناعی کی معطلی کے لیے ایک درخواست دی تھی اور اس میں آپ نے کہا تھا کہ مسٹر بھٹو ایک "ناپسندیدہ آدمی" ہیں

اس مرحلے پر عدالت نے بتایا کہ انہوں نے مقدمے کی فائلیں پہلے ہی طلب کر لی ہیں۔

ایڈووکیٹ جنرل نے سوال کیا کہ اس مقدمے کا ریکارڈ متعلقہ کیسے ہو سکتا ہے انہوں نے مزید کہا کہ اس مقدمے کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور درخواست دہندہ کے وکیل کو ریکارڈ مل سکتا ہے

مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ فیصلے میں مختلف دستاویزات شامل نہ ہوں جو طلب کی جا رہی ہیں انہوں نے مزید کہا کہ رٹ درخواست میں

بدنیتی پر مبنی ہونے کا ایک الزام لگایا گیا ہے اس لیے فائلیں طلب کرنا "انتہائی متعلقہ" ہے۔

ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ انہیں اس سلسلے میں نوٹس دیئے جائیں۔

بھٹو صاحب کے وکیل مسٹر حفیظ پیرزادہ نے کہا کہ وہ کل یہ کام انجام دے چکے ہیں۔

مسٹر محمود علی قصوری نے ہوم سیکرٹری پر جرح جاری رکھی۔

سوال:۔ آپ کو معلوم ہے کہ بھٹو صاحب کے اسلحہ کے لائسنسوں کے سلسلے میں ہائی کورٹ کے حکم کے خلاف سپریم کورٹ میں کوئی اپیل دائر نہیں کی گئی۔

جواب:۔ میں نے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل کراچی استفسار کیا تھا انہوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس مقدمے کے سلسلے میں ہائی کورٹ کے خلاف کوئی درخواست دائر نہیں کی گئی۔

سوال:۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ نظربندی کے بعد ٹریکٹروں کے کیس کے چالان میں بھٹو صاحب کو مفرور ظاہر کیا گیا ہے۔

جواب:۔ ڈی آئی جی کرائمز برانچ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مسٹر بھٹو کو چالان میں مفرور درج کیا گیا ہے کیونکہ چالان کے فارم میں اُن کا نام دوسرے دو خانوں (۱) زیر حراست اور (۲) ضمانت پر۔ میں درج نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس مرحلے پر مسٹر جسٹس مشتاق حسین نے کہا "یہ بڑی زیادتی ہے" انہوں نے مزید کہا کہ جب یہ پتہ تھا کہ مسٹر بھٹو نظربند ہیں تو چالان میں یہی درج ہونا چاہیئے تھا۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے سوال کیا۔ کیا آپ نے اخبارات میں یہ خبر دیکھی ہے کہ مسٹر بھٹو ایک مفرور ہیں۔

جواب:۔ میرے علم میں نہیں۔

سوال:۔ کیا بھٹو صاحب کے خلاف چاول کے اس مقدمے سے متعلق کاغذات حاصل کر لیے گئے ہیں جس کا قاضی فضل اللہ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والی خبر میں حوالہ دیا تھا۔

جواب:۔ میں نے اس مقدمے کے سلسلے میں ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ کو ٹیلیفون کیا تھا۔ انہیں چاول کے اس مقدمے کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔ پولیس بھی لاڑکانہ میں اس مقدمے کے بارے میں پتہ نہیں چلا سکی۔ ایس پی لاڑکانہ نے تجویز پیش کی ہے کہ اس سلسلے میں راولپنڈی سے پوچھا جائے۔

اس مرحلے پر عدالت نے ہوم سیکرٹری سے پوچھا کہ آیا "وزیر داخلہ لاہور میں موجود ہیں۔ ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ اسمبلی کے اجلاس کے پیش نظر انہیں یہاں ہونا چاہیئے۔

اس پر عدالت نے ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ وزیر داخلہ سے اس مقدمے کے بارے میں پوچھ سکتے تھے۔ انہوں نے ہوم سیکرٹری کو اس مقدمے کے بارے میں وزیر داخلہ سے پوچھنے اور لبعد میں عدالت کو مطلع کرنے کی اجازت دیدی۔

مسٹر قصوری نے ان سوالات کا ذکر کیا جو بھٹو صاحب کے خلاف اراضی کے مقدمے کے سلسلے میں کل پوچھے گئے تھے۔ چونکہ اس مقدمے کی فائل میسر نہیں تھی اس لیے اس کے بارے میں جوابات حاصل نہ کیے جا سکے۔

مسٹر قصوری نے کل کے اُس سوال کا ذکر کیا جو مسٹر بھٹو کے خلاف ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۳۰۷ کے تحت درج شدہ مقدمے سے متعلق تھا۔

ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں معلومات جمع کی جا رہی ہیں۔

مسٹر حفیظ پیرزادہ نے عدالت کو بتایا کہ انہیں ایف آئی آر کی مصدقہ نقل فراہم نہیں کی گئی۔ اس پر عدالت نے ایڈووکیٹ جنرل مغربی پاکستان سے کہا کہ وہ ایس پی لاڑکانہ سے کہیں کہ عدالت ایف آئی آر کی ایک نقل فراہم کی جائے۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے اس سوال کے بارے میں استفسار کیا جو انہوں نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں گورنر کی تقریر کے بارے میں پوچھا تھا۔

ہوم سیکرٹری نے جواب دیا کہ جلسہ اکتوبر ۱۹۶۸ء میں منعقد ہوا تھا۔ حاضرین کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ارکان اور ڈویژنل کونسل کے ارکان تک محدود رکھا گیا تھا۔ ہوم سیکرٹری نے روزنامہ پاکستان ٹائمز کے پرچے مہیا کیے جن میں گورنر کی تقریر شائع ہوئی تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہیں اطلاع ملی ہے کہ حکومت نے گورنر کی تقریر شائع نہیں کی۔

ہوم سیکرٹری نے عدالت کے سامنے وہ خبر پیش کی جو وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ کے سلسلے میں تھی اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء کے پاکستان ٹائمز میں شائع ہوئی تھی۔

مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری سے پوچھا

کیا گورنر نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت ملک محمد شریف کی نظربندی کا حکم جاری کیا تھا۔

جواب:۔ موجودہ فائل میں نظربندی کے حکم میں چودہ افراد کے نام درج ہیں۔

اس پر مسٹر قصوری نے ہوم سیکرٹری پر جرح ختم کر دی۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے جو فائلیں منگوانے کے لیے کہا ہے۔ اگر اُن کے عدالت کے سامنے پیش ہونے کے بعد ضرورت پڑی تو وہ عدالت سے ہوم سیکرٹری پر مزید سوالات کرنے کی اجازت مانگیں گے۔

عدالت نے مسٹر قصوری سے پوچھا کہ وہ بھٹو صاحب کا حلفیہ بیان کب پیش کر رہے ہیں۔ مسٹر قصوری نے کہا یہ اتوار کی شام کو تیار ہو جائے گا اور اس کی نقل اسی شام ایڈووکیٹ جنرل کو دے دی جائے گی۔

ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ چونکہ حلفیہ بیان طویل ہو گا اس لیے انہیں اس کا مطالعہ کرنے کے لیے کچھ وقت دیا جائے۔

عدالت نے اس درخواست پر ۲۳ جنوری تک کے لیے سماعت ملتوی کر دی۔

مقدمے کی سماعت کے درخواست دہندہ کی طرف سے میاں محمود علی قصوری

ڈاکٹر جاوید اقبال، مسٹر ذکی الدین پال، شیخ محمد رشید، مسٹر حفیظ پیرزادہ، مسٹر خورشید حسن میر مسٹر خورشید محمود قصوری اور مسٹر احمد رضا خاں پیروی کرتے رہے۔ صوبائی حکومت کی طرف ایڈوکیٹ جنرل راجہ سید اکبر، اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل مسٹر ولاور محمود، مسٹر اسماعیل بھٹی اور سید فاروق حسین پیش ہوتے رہے۔ اٹارنی جنرل مسٹر شریف الدین پیرزادہ بھی عدالت کی خواہش کے مطابق کمرۂ عدالت میں موجود رہے۔

سماعت ملتوی

۲۰ جنوری کو مسٹر اجمل خٹک کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست میں ہوم سیکرٹری کا بیان ختم ہونے کے بعد ایڈوکیٹ جنرل نے خصوصی بنچ بر مشتمل مسٹر جسٹس مشتاق حسین اور مسٹر جسٹس محمد گل سے استدعا کی کہ بھٹو صاحب کی رٹ درخواست کی سماعت مزید ایک ہفتہ کے لیے ملتوی کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی تک انہیں مسٹر بھٹو کے حلفیہ بیان کی نقل فراہم نہیں کی گئی۔ حالانکہ مسٹر بھٹو کے وکیل نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اتوار کی شام تک بیان کی نقل فراہم کر دیں گے۔

مسٹر قصوری نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ انہوں نے ایسا وعدہ کیا تھا کہا کہ ہمارا خیال تھا کہ حلفیہ بیان ۲۳ جنوری کو سماعت دوبارہ شروع ہونے سے ۴۸ گھنٹے قبل ایڈوکیٹ جنرل کو پہنچ جانا چاہیئے۔

عدالت نے کہا کہ یہ مفروضہ درست نہیں ہے۔

مسٹر قصوری نے عدالت کو بتایا کہ بھٹو صاحب حلفیہ بیان تیاری کے آخری مرحلے پر ہے اور اس کی ایک نقل آج شام کو ایڈوکیٹ جنرل کو دے دی جائیگی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہوسکتا ہے یہ حلفیہ بیان سو صفحے تک چلا جائے۔

ایڈوکیٹ نے اس مقدمے کی سماعت ایک ہفتے کے لیے ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ عدالت نے آئندہ سماعت کے لیے ۲۸ جنوری کی تاریخ مقرر کی۔ ۲۳ جنوری کو حلفیہ بیان ایڈووکیٹ کو دے دیا گیا۔

ایک آواز — ایک آدرش — ایک پیغام
پاکستان کی عظیم شخصیت پر ایک عظیم کتاب

ذوالفقار علی بھٹو

شخصیت اور کردار

ایک تاریخی دور کی تاریخی روداد ... قیمت ۳/۵۰

بھٹو — تصاویر کے آئینے میں

چیئرمین بھٹو کی تاریخی تصاویر کا البم
زندگی کے ہر دور کی تصاویر۔ آرٹ پیپر پر خوبصورت آفسٹ طباعت

قیمت ۲/۰۰

مکتبۂ عالیہ - ایبک روڈ - لاہور

ستم زدگانِ جہاں

الجزائر میں سامراجی مظالم کی دلدوز کہانی

اور

الجزائری عوام کی جدوجہد آزادی کی داستان

تصنیف: فرانز فینن

ترجمہ: محمد پرویز

نظرثانی: سجاد باقر رضوی

نگارشات

۱۷۶/ انارکلی — لاہور

اشتہار اور پمفلٹ

بھٹو کیا کہتا ہے ——— ایک روپیہ سو
مختصر پروگرام۔ پاکستان پیپلز پارٹی ——— دو روپیہ سو
پاکستان پیپلز پارٹی کیوں بنائی گئی ——— دو روپیہ سو
ذوالفقار علی بھٹو سے انٹرویو ——— پانچ روپیہ سو
میر رسول بخش تالپور سے انٹرویو ——— پانچ روپیہ سو

تقسیم کنندگان: **البیان**، چوک انارکلی، لاہور